فہرست

اداریہ	ابتدا تیرے نام سے	صائمہ اسما	3
انوار ربانی	حکومت الٰہیہ	عظمیٰ پروین	4
قول نبیؐ	شبِ برات	سید مودودیؒ	7
خاص مضمون	عورتوں کے ازدواجی حقوق	صبا نزہت	10
نوائے شوق	رات اب بھی باقی تھی	شمیم فاطمہ	20
	غزل	کرامت بخاری	21
	دائرے	رخشندہ نوید	21
حقیقت و افسانہ	لاپتہ	ڈاکٹر شگفتہ نقوی	22
	مجھے کیا خبر تھی یارو	قانتہ رابعہ	25
	جنت گم گشتہ	ربیعہ ندرت	28
	کانچ کے ٹکڑے	فوزیہ وحید	32
	میں ہوں روزہ	حفصہ افضال	35
طویل کہانی	قرار	عالیہ حمید	37
نامور خواتین کا تذکرہ	حضرت آسیہؓ بنتِ مزاحم	آسیہ راشد	50
ہلکا پھلکا	عبداللہ نے امتحان دیا	سعدیٰ مقصود	55
	بخیلوں کے قصّے	میمونہ حمزہ	60
سفرِ سعادت	مسجد نبویؐ کے اندر	قانتہ رابعہ	63
گوشۂ تسنیم	جب خدا کسی کو نعمت دے	بشریٰ تسنیم	65
گھرداری	رمضان المبارک کا معمول کیسے بنائیں	آسیہ راشد	67
کچن کارنر	افطاری کے خاص پکوان	نورالعین کوکب	71
محشرِ خیال	کرامت بخاری، فریدہ خالد، نگہت عرفان		73
بتول میگزین	فریدہ خالد، رفعت اشتیاق، حفصہ ندیم، پھول بانو، نائمہ سعید، عظمیٰ آفرین، عفت نازعفی، ہاجرہ مراد	طیبہ اکرام	76

ابتدا تیرے نام سے

قارئین کرام! وزیراعظم گیلانی رخصت ہوئے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کھا پی کر ہضم کیا اور مزے سے نکل لیے۔ ان کی لمبی چوڑی بدعنوانیوں کی داستانیں زبان زدِ عام ہیں۔ چار سال سے بھی زائد عرصہ اختیارات کا خوب غلط استعمال، اور پھر کسی احتساب اور قانونی گرفت میں آئے بغیر وزارت عظمیٰ چھوڑ کر ایک طرف ہو جانا ان کے لئے بے حد سستا سودا ثابت ہوا۔ اختیارات کے سب سے بڑے مناصب پر بیٹھ کر سب سے اعلیٰ پیمانے کی خیانت کرنے والے قومی مجرموں کو سزا ملنے کی ہمارے ہاں کوئی روایت نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کے قابو میں جو چور اچکا آ جاتا ہے، وہ مار مار کر اسی کا بھرکس نکال دیتے ہیں کیونکہ ان کے بس میں یہی ہے۔ یہ بھی شاید ہمارے معاشرے کے کتھارسس کا ایک طریقہ بنتا جا رہا ہے۔ جس ملک کی دولت لوٹ کر لٹیرے مزے سے دندناتے پھریں اور عوام کے منہ سے نوالہ بھی چھن جائے، وہ بنیادی ضروریات کو ترس جائیں، روزگار ختم ہونے لگیں اور حکمرانوں کی عیاشیاں بڑھتی رہیں، وہاں اندر ہی اندر پلنے والا غصہ کوئی بھی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ ملک کئی سالوں سے لیڈرشپ کے زبردست بحران کا شکار ہے۔ ذرائع ابلاغ کی بدولت عوامی آگاہی کی سطح بڑھ گئی ہے مگر اس آگاہی کو بڑے پیمانے پر تبدیلی کی قوت میں ڈھالنے کے لیے مخلص افراد کو آگے آنا چاہیے۔

ٹی وی ٹاک شو کا بہت تذکرہ رہا اور اس بہانے ملک ریاض کیس میں میڈیا کا کردار تفصیل سے زیر بحث آیا۔ میڈیا اینکر پرسنز کے ہاتھ میں جس قدر طاقت ہے، کسی مضبوط ضابطہء اخلاق اور احتساب کے بغیر اس طاقت کے استعمال سے منطقی طور پر یہی نتائج متوقع تھے۔ میڈیا اپنے تئیں ''سچ کی تلاش'' اور ''سچ کو سامنے لانے'' کا جس قدر بھی ڈھنڈورا پیٹے، اینکر پرسن خود کو جتنا مرضی ہیرو ثابت کرنے کی کوشش کریں میڈیا کارپوریشنیں اوّل آخر ایک صنعت اور کاروبار ہیں اور بھاری معاوضے لینے والے اینکر پرسن اس صنعت کے معمولی کارندے، جن میں سے ہر ایک کی ایک قیمت ہے خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ (الا ماشاء اللہ)۔ ہمارے زوال پذیر اجتماعی ضمیر کے اس دور میں جبکہ اوپر سے نیچے تک اختیارات اور طاقت کا غلط استعمال ایک ثقافتی قدر بن چکا ہے، ان معمولی پیٹ کے بندوں سے باضمیر ہونے کی توقع کرنا سادگی ہے۔ ہر انسان کے اندر موجود شر کی قوتوں کو صرف خوفِ خدا حد میں رکھتا ہے اور اس کے بعد معاشرے کا قانون۔ جہاں یہ دونوں عوامل اٹھ جائیں صرف وہی بچے گا جو ضمیر فروخت کرنے کے اس دھندے میں ملوث نہ رہے۔

ہمارا ''آزاد میڈیا'' جسے مجرموں کو بے نقاب کرنے کا بہت دعویٰ رہتا ہے، ضرورت ہے کہ اپنی صفوں میں بھی جھانکے اور خود کو احتساب کیلئے پیش کرے۔ بہرحال اس کیس کی وجہ سے میڈیا کے نام نہاد ''جہادیوں'' کی حقیقت بھی کھل گئی ہے اور اپنی قیمت لگوانے والے صحافیوں کی فہرستیں منظرعام پر آ گئی ہیں جو ہم سب کیلئے شرمناک ہے۔

ہم نہایت دکھ سے اطلاع دے رہے ہیں کہ ڈاکٹر نزہت اکرام انتقال کر گئیں۔ شدید علالت کے باوجود ان کے قلم کی روانی میں فرق نہ آیا۔ عمر بھر قلم کی حرمت کا پاس رکھا اور مشن سمجھ کر لکھا۔ نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ ایک بے حد متحرک اور فعال زندگی گزاری اور اپنے کردار و عمل سے بہت سوں کیلئے مشعل راہ بنیں۔ رہائش گاہ سے منسلک ان کا تعلیمی ادارہ ان کی زیر نگرانی چلتا تھا جو بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کر رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کی قلمی نگارشات ہمیشہ ہمیں تواتر سے بتول کیلئے موصول ہوتی رہیں۔ بے حد مصروفیت کے باوجود تحریروں پر تبصرہ بھی بھجواتی رہیں اور ہر تحریر اپنے ہاتھوں سے خوبصورت لکھائی میں لکھی ہوتی۔ ان کی خودنوشت ''شام و سحر سے کام لے'' بتول میں قسط وار شائع ہو کر بے حد پذیرائی حاصل کر چکی ہے۔ 27 رجب شبِ معراج کی مبارک گھڑیاں ان کا دم واپسیں ثابت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے اور ان کی بہترین میزبانی فرمائے آمین۔

ہماری ایک اور قلمکار محترمہ مشعل پروین (اہلیہ محترم اسامہ مراد و بھاوج جناب خرم مرادؒ و مسلم سجاد صاحب) جوام ایمان صاحبہ کی ہمشیرہ تھیں۔ خالق حقیقی سے جا ملیں۔ اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند کرے اور اہلِ خانہ کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔

دعا گو

صائمہ اسما

حکومت الٰہیہ

وَقلُ رَّبِ اَدۡخِلنۡی مُدۡخَلَ صِدۡقِ وَّاَخۡرِجۡنِی مُخرَجَ صِدۡقِ وَّاجۡعَلۡ لّیِ مِنۡ لَّدنكَ سُلطٰناًنَّصِیرا(بنی اسرائیل)

اور دعا کرو کہ پروردگار تو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔

یہ دعا خالق ارض وسمٰوت نے اپنے نبی کو خود سکھائی ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اقامت دین اور نفاذ شریعت کیلئے حکومت چاہنا اور اس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ومندوب ہے اور وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو اسے دنیا پرستی اور دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن ہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ نے شاہ مصر سے حکومت کے اقتدار کا مطالبہ کیا۔ اس سے آپؑ کی غرض صرف یہ تھی کہ حکومت کے ذریعے انہیں احکام الٰہی جاری کرنے ،حق قائم کرنے اور عدل پھیلانے کا موقع مل جائے اور وہ اس کام کی انجام دہی کی طاقت حاصل کریں جس کے لئے انبیاء بھیجے جاتے ہیں۔فکر اسلامی میں ریاست کی اہمیت کا اندازہ آیت زیرنظر سے کیا جاسکتا ہے۔انبیاء کا مقصود انسانی زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح تھا جو نظام حکومت کی اصلاح کے بغیر قطعی ناممکن ہے۔

دین اسلام زندگی کا ایک مکمل ضابطہ حیات فراہم کرتا ہے اور ...ن اس وقت تک اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتے جب تک انفرادی اور اجتماعی گوشوں میں اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات کو جاری وساری نہ کرلیں۔قرآن کا مطالبہ ہے کہ پوری انسانی زندگی اس نظام کے مطابق ڈھل جائے جو اللہ کا پسندیدہ ہے، جب تک دین کی اساس پر پورا نظامِ زندگی، نظام قانون اور نظام معاشرت نافذ نہ ہو اور مسند اقتدار سے صالح لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو جو اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے کرنے والے ہیں اس وقت تک قرآن پر پوری طرح عمل کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا اصلاحِ انسانیت کے عظیم کام کی انجام دہی اور قرآنی تصور کے مطابق معاشرے کی تعمیر کیلئے اقتدار ناگزیر ہے۔

مکے کے کفار اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر ہم لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیتے ہیں تو اس کا اولین اثر یہ ہوگا کہ ہمارے ہاتھ سے امارتیں اور سیادتیں سب چلی جائیں گی اور اس کے بعد قلب وضمیر،احساس وشعور، عدالت وامارت، تجارت ومعیشت غرض روح وبدن سمیت پر صرف ایک خدا اور ایک حاکمِ مطلق کی فرماں روائی ہوگی، کیونکہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ کلمہ اجتماعی انقلاب کا اعلان ہے اور انہوں نے اس کی پہلی پکار سنتے ہی سیاسی شورش کی بوُ سونگھ لی تھی۔ چونکہ اسلامی حکومت کے قیام کے بغیر خدا کے قانون کی بالادستی قطعی ناممکن ہے لہٰذا ہجرت سے پہلے نبی ﷺ کو یہ دعا سکھائی گئی جو آیت زیرنظر میں درج ہے۔

اگر ریاست وحکومت اسلام کے بغیر ہوں تو ظلم اور بے انصافی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اوراس کے نتیجے میں چنگیزی رونما ہوتی ہے۔حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ جہالت کوختم کر کے علم کی شمعیں روشن کرے، دولت کی منصفانہ تقسیم کے ذریعے غربت کوختم کرے،سماجی برائیوں کا قلع قمع کر کے بے سہاروں ،مظلوموں اور مجبوروں کی مدد واستعانت کا اہتمام کرے، جب حکومت خدا سے غافل اوراپنی ذمہ داریوں سے بے بہرہ لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی تو چھٹنی ق خدا کے ساتھ انصاف کون کرے گا؟ اُن کے زخموں پر مرہم کون رکھے گا؟ جس گھر کا چوکیدار ہی ڈاکو ہواس کا تحفظ قطعی ناممکن ہے۔

انبیاء کی دعوت کا مرکزی تخیل ہی یہ تھا کہ اقتدار خدااور صرف خدا کیلئے خالص ہوجائے اورشرک اپنی ہر جلی اور خفی شکل میں ختم کر دیا جائے۔عقیدۂ توحید کا تقاضا ہے کہ اللہ کو رب، معبود،تکوینی حاکم ومدبر اورتشریعی حاکم وقانون ساز تسلیم کیا جائے۔اسلام کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ غالب ہونا چاہتا ہے تا کہ وہ لوگوں کواپنے جیسے دوسرے انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کرے۔اگر لوگ اللہ کی شریعت کے سوا کسی اور قانون کے متبع ہوں تو یہی دراصل وہ علامت ہے جس کی وجہ سے قرآن میں یہود ونصاریٰ کو غیر مومن قرار دیا الا یہ کہ کوئی ایسی صورتحال ہو کہ وہ غیر اسلامی نظام کے تحت مجبوراً رہ رہے ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اس نظام کو دور کرنے کی جدوجہد بھی کر رہے ہوں۔

اسلامی فکر میں دین اور سیاست کی دوری کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔یہاں پوری دنیوی زندگی مذہبی زندگی ہے اور اس میں اعتقادات وعبادات سے لے کر تمدن ومعاشرت اور سیاست ومعیشت کے اصول وفروغ تک ہر چیز ایک معنوی اور مقصدی ربط کے ساتھ مربوط ہے۔اگر ہم اپنے سیاسی اور معاشی معاملات کو اسلام کی تجویز کردہ اسکیم کی بجائے کسی اور اسکیم کے تحت منظّم کرنا چاہتے ہیں تو یہ جزوی ارتداد ہے کیونکہ یہ (ترجمہ)''کیا بات ہے کہ تم کتاب خدا کے بعض احکام کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کیے دیتے ہو'' کا مصداق ہے پھر یہ تجزیہ کر کے دائرہ اسلام میں زیادہ مدّت تک نہیں رہا جاسکتا کیونکہ غیر اسلامی اصول حیات پر ایمان لانے کے بعد قرآن پر ایمان قائم نہیں رہتا ارشاد نبویؐ ہے''قرآن پر ایمان نہیں لایا وہ شخص جس نے اس کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرلیا''(ترمذی)اگر بیتین خدا کے قانون کی پیروی نہیں کرتا تو اس کا دعویٰ ایمان ہی مشتبہ ہوجاتا ہے

فوائد برکات:۔اللہ تو تمام جہانوں سے بے نیاز بادشاہ ہے لوگوں کی نافرمانی اور سرکشی اس کی حکومت میں پرِکاہ کمی نہیں کرسکتی لیکن جب لوگ اللہ کے سوا کسی اور ذات یا ادارے کی حاکمیت قبول کرلیں تو وہ خود ذلیل وخوار ہوجاتے ہیں قرآن کے مطابق انسان پر انسان کی حکومت ہی دراصل جاہلیت ہے آج ہر طرف جاہلیت کا دور دورہ ہے جاہلیتیں سب کی سب اندھیرے ہیں ان میں شکوک وشبہات کے اندھیرے،شہوت پرستی اور مفاد پرستی کے اندھیرے،ظلم وجبر کے اندھیرے ہیں ۔آج انسانیت حیران، بے چین، وحشت زدہ اور خرافات میں گم کردہ راہ ہوچکی ہے۔اسلامی نظام کی روشنی میں ان تمام تاریکیوں کا قلع قمع کر کے انسانیت کے دکھوں کا مداوہ کرسکتی ہے یہ دین انسانیت کی قیادت کیلئے آیا ہے تا کہ انسانوں کومنظّم کر کے صحیح راستہ دکھائے اورانہیں غلطیوں اور سیاہ کاریوں سے بچائے۔انسانیت کو خام خیالی، وہم پرستی،کھوٹے نظریات اور جھوٹے خداؤں کی بندگی اور غلامی سے صرف اسی صورت میں

نجات دلائی جاسکتی ہے کہ اسے اللہ وحدہ کا غلام بنا دیا جائے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اس نے صحیح اور متوازن نظام زندگی بھی عطا کر دیا تا کہ انسانوں کو جو قوتیں، فکر، سوچ اور شعور دیا گیا ہے وہ ان سے پوری طرح استفادہ کرے اور دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی پائیں۔

غلط فہمی کی وجوہات مغرب میں پاپائی نظام کے مظالم کے خلاف اتنا شدید ردعمل ہوا کہ لوگ عیسائیت کی مخالفت میں مذہب ہی سے باغی ہوگئے نتیجتاً سیکولرازم وجود میں آیا۔ برصغیر میں دور استعمار میں جو تعلیمی انقلاب آیا اس نے خود ...نوں کے تعلیم یافتہ طبقے کو اسلام سے دور کر دیا۔ سیکولرازم کے حامی دین و مذہب کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتے ہیں وہ اس بات سے آگاہ ہیں کہ اتاترک کی اعلانیہ تحریک لادینی بری طرح فیل ہوچکی ہے جبکہ اسلام کے لیبل میں جاہل عوام کے سامنے جو زہر پیش کیا جاتا ہے اسے وہ آسانی سے نگل جاتے ہیں ایک گہری سازش کے تحت لفظ دین کا مفہوم اس قدر سکیڑ دیا گیا ہے کہ لوگ اسے محض دینی عقیدے کے مترادف سمجھتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ مراسم عبودیت تک وسیع کرتے ہیں۔ اسلامی ملکوں کے حکمران، عیش و آرام میں ڈوبے امریکہ اور یورپ کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں اور انہیں کے اشاروں پر کام کر رہے ہیں ہمارا نظام تعلیم اور الیکٹرانک میڈیا اسلام دشمن عناصر کے قبضے میں ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام کا حقیقی تصور ہماری نظروں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ اسی نامکمل تصور دین کا نتیجہ ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی مسجد کی چار اینٹیں اپنی جگہ سے ہلا دی جائیں تو ...ن خون بہانے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے اتنے سارے احکام کی نافرمانی پر ان کے پاس بہانے کیلئے چند آنسو بھی نہیں جب دشمنان دین اپنے مکروہ مقاصد کی تکمیل کیلئے دین کا غلط تصور ...نوں میں پھیلا رہے ہیں تو اسلام کے حامیوں کا بھی یہ اولین فرض ہے کہ ہر زمان و مکاں میں دین اسلام کی حقیقی تصویر لوگوں کو دکھائیں اور ہر طرح کی غلط فہمیوں کو صاف کریں۔

اسلام اس وقت تک اپنی مکمل اور حقیقی صورت میں دنیا کے سامنے نہیں آتا جب تک باطل کی قوت اور اقتدار کو ختم کر کے حق کا اقتدار اعلیٰ قائم نہ کر دیا جائے یہی وجہ ہے کہ دور نبوی ﷺ میں ہجرت مدینہ فرض کر دی گئی تھی اور ہجرت اور جہاد سے جی چرانے والوں کو قرآن میں منافق قرار دیا گیا ہے آج بھی دین اسلام کے احیاء کی تحریکیں دنیا کے چپے چپے میں فریضہ اقامت دین کی ادائیگی کیلئے سرگرم عمل ہیں۔ ہر مومن کا فرض ہے کہ اُٹھے اور ان کی بھرپور امداد کرے ...نوں کو چاہیے کہ اپنی پوری قوت اس دین کی اقامت اور غلبے کی راہ میں خرچ کریں اگر اسلام کا دعویٰ کرنے والے دین کی نصرت و حمایت کیلئے نہیں اٹھتے تو دین میں ان کی حیثیت عہد نبوی ﷺ میں جہاد سے جی چرانے والوں کی مانند ہے جن کے لئے قرآن میں بڑے سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

ماخوذ از فی ظلال القرآن' اسلامی ریاست' فریضہ اقامت دین

☆☆☆

شب برأت

شب برأت سے متعلق ایک عملی تحقیق

'''ایک دفعہ شعبان کی پندرہویں شب کو حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کو بستر پر نہ پایا۔اور وہ آپ ﷺ کو تلاش کرنے کیلئے نکلیں۔ڈھونڈتے بقیع قبرستان پہنچیں۔وہاں آپ ﷺ کو موجود پایا۔وجہ دریافت کرنے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس رات کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف توجہ فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بھیڑوں کے جس قدر بال ہیں اس قدر انسانوں کے گناہ معاف کرتا ہے۔'

تشریح:حدیث کے مشہور امام ،ترمذیؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور اپنی تحقیق یہ بیان کی ہے کہ اس کی سند صحیح طور پر حضرت عائشہ تک نہیں پہنچتی۔بعض دوسری روایات ہیں۔ جو کم درجہ کی کتب حدیث میں ملتی ہیں۔اس رات کی یہ فضلیت بیان کی گئی ہے کہ اس میں قسمتوں کے فیصلے کیے جاتے ہیں اور پیدائش اور موت کے معاملات طے ہوتے ہیں۔لیکن یہ سب روایات ضعیف ہیں۔ہر ایک کی سند میں کوئی نہ کوئی کمزوری موجود ہے۔اس لئے حدیث کی قدیم تر اور زیادہ معتبر کتابوں میں کہیں انکا ذکر نہیں ملتا۔تاہم اگر ان کی کوئی اصلیت تسلیم بھی کر لی جائے تو حد سے حد بس اتنا ہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس رات میں عبادت کرنا اور خدا سے مغفرت کرنا، دعا کرنا ایک اچھا فعل ہے۔ جسے انفرادی طور پر لوگ کریں تو ثواب پائیں گے۔ اس سے بڑھ کر کوئی ایسی چیز روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی۔جس سے یہ سمجھا جائے کہ چودہویں کو یا پندرہویں شب کو اسلام میں عید قرار دیا گیا ہے یا کوئی اجتماعی عبادت مقرر کی گئی ہے۔

حدیث کی زیادہ معتبر کتابوں سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ رسول ﷺ پر رمضان کی آمد سے پہلے ہی شعبان کے مہینہ میں ایک خاص کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے [illegible]ی جیسے عظیم الشان منصب پر مامور کیا گیا اور قرآن جیسی لازوال کتاب کے نزول کا آغاز ہوا اس وجہ سے نہ صرف رمضان میں آپ ﷺ غیر معمولی طور پر عبادت فرمایا کرتے تھے بلکہ س سے پہلے ہی آپ ﷺ کی لو خدا سے لگ جاتی تھی۔حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رمضان کے سوا سال کے باقی گیارہ مہینوں میں صرف شعبان ہی ایسا مہینہ تھا جس میں آپ ﷺ سب سے زیادہ روزے رکھتے تھے۔ بلکہ تقریباً پورا مہینہ ہی روزہ رکھتے گزر جاتا تھا۔لیکن آپ ﷺ کا یہ طرز عمل اپنی ذات کیلئے خاص تھا۔اور اس گہرے روحانی تعلق کی بنا پر تھا جو نزول قرآن کے چھینو سے آپ ﷺ کو تھا۔رہے عام [illegible]ن،تو ان کو آپ ﷺ نے ہدایت فرمادی تھی کہ ماہ شعبان کے آخری پندرہ دنوں میں روزے نہ رکھا کریں کیونکہ اس میں

اندیشہ تھا کہ اگر عادۃً لوگ اس مہینہ کے آخری دنوں میں روزے رکھنے لگے تو رفتہ رفتہ یہ ایک لازمی رسم بن جائے گی اور رمضان کے فرض روزوں پر خواہ مخواہ دس پندرہ مزید روزوں کا اضافہ ہوجائے گا۔ اور اس طرح لوگوں پر وہ بار پڑ جائے گا جو خدا نے ان پر نہیں رکھا ہے۔

اسلام میں خاص طور پر یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ جو کچھ خدا نے اپنے بندوں کیلئے لازم کیا ہے۔ اسکے سوا کوئی دوسری چیز بندے خود اپنے اوپر لازم نہ کرلیں۔ کوئی خود ساختہ رسم کوئی مصنوعی قاعدہ، کوئی اجتماعی عمل ایسا نہ ہو جس کی پابندی لوگوں کیلئے فرض کی طرح بن جائے۔ خدا زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی بھلائی کن چیزوں کی پابندی میں ہے اور کس چیز کی کتنی پابندی میں ہے۔ اس کی قائم کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر کے اگر بندے بطور خود کچھ رسمیں مقرر کرلیں گے اور فرض کی طرح ان کی پابندی کریں گے تو اپنی زندگی کو آپ تنگ کرلیں گے۔ پچھلی قوموں نے یہی غلطی کی تھی کہ نئی نئی رسمیں ایجاد کر کے اپنے اوپر فرائض اور واجبات کے ردے چڑھاتی چلی گئیں اور رفتہ رفتہ رسمیات کا ایک ایسا تانا بانا اپنے گرد بن ڈالا جس کے جال نے آخر کار ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر رکھ دیے۔ قرآن ان رسموں کو زنجیروں سے تشبیہ دیتا ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ کے مشن کا ایک بڑا کام یہ بتاتا ہے کہ ان زنجیروں کو کاٹ پھینکیں جن میں انسان نے اپنے آپ کو خود کس رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت محمدی میں فرائض کا ایک نہایت ہلکا اور سادہ ضابطہ تجویز کر کے باقی تمام رسموں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ عید اور بقرعید کے سوا کوئی تہوار نہ رکھا گیا۔ حج کے سوا کوئی یاترا نہ رکھی گئی، زکوٰۃ کے سوا کوئی نذر و نیاز یا دان پُن کو فرض نہ کیا گیا۔ اور ہمیشہ کیلئے یہ اصول طے کر دیا گیا کہ انسان کو جس طرح خدائی فرض میں کوئی چیز کم کرنے کا حق نہیں ہے اسی طرح کوئی چیز بڑھانے کا بھی حق نہیں ہے۔

ساری عمر کے روزے بھی رمضان کے ایک روزے کا بدل نہیں ہوسکتے

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اگر کسی شخص نے رمضان کا ایک روز بھی چھوڑا بغیر کسی رخصت (معقول عذر) کے اور بغیر کسی مرض کے تو اگر وہ ساری عمر کے روزے بھی رکھے تب بھی وہ اس کی قضا نہیں ہو سکتے۔'' (بخاری)

تشریح: یہ رمضان کے روزے کی قضا کا شرعی حکم نہیں ہے کیونکہ قضا روزہ اگر کوئی شخص رکھے گا تو وہ اس کا ادا ہوجائے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک اس کے عمر بھر کے روزے بھی اجر اور مرتبے کے لحاظ سے اس ایک روزے کا بدل نہیں ہوسکتے جو اس نے رمضان میں جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہو۔ کسی شرعی عذر کی بناء پر روزہ چھوڑنا اور بات ہے کیونکہ اس صورت میں تو آدمی قضا روزہ رکھ سکتا ہے اور یہ چیز قابلِ مواخذہ نہیں ہے لیکن شرعی عذر کے بغیر جان بوجھ کر روزہ چھوڑنا ایسا ہے کہ پھر ساری عمر کے روزے بھی اس کا بدل نہیں ہوسکتے۔

یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ شریعت میں بعض چیزیں تو قانونی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض اخلاقی۔ قانونی حیثیت تو یہ کہ اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر کوئی روزہ چھوڑا ہو تو اس پر قضا لازم آئے گی۔ اور قانون کا تقاضا فقط اتنا ہے کہ وہ قضا روزہ رکھے۔ لیکن اس کے روزہ قضا کرنے کی اخلاقی حیثیت اس حدیث کے مطابق یہ ہے کہ ایک روزہ نہیں بلکہ عمر بھر کے روزے بھی اس ایک روزے کا بدل نہیں ہوسکتے جو اس نے رمضان کے زمانے میں جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہو۔

کون سا شخص صائم الدہر ہے؟

حضرت مسلم قُرشیؓ سے روایت ہے کہ میں نے یا کسی شخص نے رسول ﷺ سے صَوْمِ دَھْر (ہمیشہ روزہ رکھنے) کے متعلق سوال کیا (کہ اس کا کیا حکم ہے؟) اسکے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بال بچوں کا بھی تم پر حق ہے۔ رمضان کے روزے رکھو اور اس سے ملحقہ چھینو یعنی شوال کے (چھ دنوں کے) روزے رکھو اور پھر ہر بدھ جمعرات کو بھی روزہ رکھ لیا کرو۔ اسطرح گویا تم ہمیشہ روزہ رکھنے والے شمار ہوگے۔'' (ترمذی)

تشریح: معلوم ایسا ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں چونکہ رہبانیت کا بہت زور تھا اس لئے اہل مذاہب میں راہب ،سنیاسی اور جوگی وغیرہ قسم کے لوگ صَائِمُ الدّھر کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ نیک آدمی وہ ہے جو صَوْمِ دَھْر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ سے صَوْمِ دَھْر کے متعلق کثرت سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے پوچھنے والے سے فرمایا کہ تمہارے بال بچوں کا بھی تم پر حق ہے۔ یعنی جو شخص صَوْمِ دَھْر رکھتا ہے وہ بال بچوں کے حقوق ادا نہیں کرسکتا۔ اس سے پہلے ایک حدیث میں بتایا جاچکا ہے کہ تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا اور تمہارے پاس ملاقات کیلئے آنے والوں کا تم پر حق ہے اور صومِ دہر کے ساتھ یہ حقوق تم خوش اسلوبی سے ادا نہیں کرسکتے۔ اس طرح گویا حضور ﷺ نے عبادات کے سلسلے میں انتہا پسندی کا راستہ بند فرمادیا اور ہر ایسے شخص کیلئے جو فرائض سے زائد عبادت کرنا چاہتا ہے ایک اعتدال کا طریقہ مقرر فرمادیا۔

صَائِمُ الدّھر بن کر بیٹھ رہنا ان لوگوں کا کام ہے جنہیں دنیا اور اس کے معاملات سے کوئی سروکار نہ ہو، اور ایسا وہی لوگ کرسکتے ہیں جو گوشوں میں جا کر بیٹھ رہیں۔ لیکن جن لوگوں کو دنیا میں خدا کی خلافت کا حق ادا کرنا ہے وہ یہاں شادی بیاہ بھی کریں گے، بال بچوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ کاروبار اور تجارتیں اور ملازمتیں بھی کریں گے، عدالت کی کرسیوں پر بھی بیٹھیں گے اور حکومت کا کاروبار بھی چلائیں گے۔ غرض دنیا میں خلافت خداوندی کے جو کام ہیں وہ سب انجام دینے ہوں گے۔ ایسے لوگ صائم الدہر کیسے بن سکتے ہیں۔ پھر صائم الدہر بننے والے شخص کے بارے میں انسان جس بڑی سے بڑی نیکی اور اجر کی توقع کرتا ہے اس کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ ساری نیکی اور سارا اجر ایک بندہ مومن کو اس صورت میں بھی حاصل ہوجائے گا جب کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ رمضان کے فرض روزوں کے بعد شوال کے چھ روزے اور ہر چھینو بدھ، جمعرات کے روزے بھی رکھ لے۔

اس حدیث میں سائل کو بدھ اور جمعرات کا روزہ بتایا گیا ہے۔ اس سے پہلے کسی کو پیر اور جمعرات کا روزہ بتایا گیا اور کسی کو بعض دوسرے دنوں کا۔ اس طرح مختلف لوگوں کو مختلف دنوں کے روزے بتائے گئے۔ گویا مختلف اشخاص کیلئے مختلف نسخے ہیں۔ وہ حکیم کہ جس کے پاس ہر مریض کیلئے ایک ہی لگا بندھا نسخہ ہوتا ہے کوئی دانا حکیم نہیں ہوتا۔ دانا حکیم تو وہ ہوتا ہے جو مریض کے مزاج، اس کے حالات، اسکے ماحول کی طبعی خصوصیات چھنکا آب وہوا کے خصائص وغیرہ غرض ہر چیز کو سامنے رکھ کر نسخہ تجویز کرتا ہے اور دوا اور خوراک مقرر کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح مختلف پوچھنے والوں میں سے ہر ایک کے حسب حال حضور ﷺ نے نفلی روزوں کے متعلق مختلف طریقے ارشاد فرمائے اور ان میں سے ہر طریقہ اپنی اپنی جگہ پر یکساں اجر وثواب کا موجب ہے۔

(تفہیم الاحادیث)

☆☆☆

عورتوں کے ازدواجی حقوق

دنیا کے کسی بھی خطے کی تاریخ کا جائزہ لیں تو دیگر اخلاقی گراوٹوں کے ساتھ ساتھ عورت کی کمزور حیثیت ایک واضح تصویر کی صورت میں نظر آتی ہے۔عورت لوگوں کیلئے تفریح کا باعث تو نظر آتی ہے لیکن عزت کا باعث نہیں۔ عورت کی تحقیر اور توہین اکثر قوموں میں معمول کی بات تھی۔ خود عربوں میں اسلام سے قبل عورت کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی۔ اس کو معاشرے میں نہ کوئی مقام و مرتبہ حاصل تھا اور نہ ہی کوئی واضح حقوق تھے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے عورت کو عزت و احترام سے نوازا اور اس کے احترام کو معاشرے کی بقا کیلئے ناگزیر اہمیت کا حامل قرار دیا۔اسلام ہی ہے جس نے ماں کے روپ میں عورت کو ''جنت'' بہن کے روپ میں ''عزت'' اور بیوی کے روپ میں ''سکون وراحت'' قرار دیا اور اس کو لباس سے تشبیہ دی۔ بلاشبہ مرد کو اللہ نے طاقت اور قوت سے نوازا ہے اور اس کو اختیار بھی دیا ہے لیکن اسی قوت و اختیار نے اس کو احساس برتری میں مبتلا کر دیا ہے اور اس احساس کا سب سے پہلا شکار بیوی ہوتی ہے۔ اس سے بات منوانا اپنے حکم کی تعمیل چاہنا اس کو ہر وقت تنقید کا نشانہ بنائے رکھنا وہ اپنا حق سمجھتا ہے۔

صرف اسلام ہی ہے جو شوہر کے حقوق کے ساتھ ساتھ بیوی کے حقوق بھی بتاتا ہے مگر ہمارے معاشرے میں بیویوں کو تو شوہر کے شرعی حقوق بتائے اور سکھائے جاتے ہیں مگر شوہر حضرات کو بیویوں کے حقوق کوئی نہیں بتاتا۔ یہاں تک کہ علماء دین بھی بیویوں کے فرائض کے موضوع پر بے شمار کتابیں اور مضامین لکھ ڈالتے ہیں مگر مردوں کیلئے ایسا مواد کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے شاید اس لیے کہ وہ خود مرد ہیں اور اپنی ذات کو اصلاح وتنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ خواتین عالمہ بھی بیوی کے حقوق کے بارے میں احادیث بیان نہیں کرتیں شاید اس لیے کہ وہ خود یا تو ساس کے رتبے پر فائز ہوتی ہیں یا نند کے رتبے پر لہٰذا ماں اور بہن بھائیوں کے حقوق پر احادیث بیان کرتے ان کی زبان نہیں تھکتی لیکن وہ کبھی بھی اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو بیوی کے حقوق سے متعلق احادیث سنانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتیں۔

مرد حضرات کے اندر شادی کرنے کی خواہش ایک فطری اور احسن جذبہ ہے کہ شادی کے ذریعہ اللہ نے عورت کے روپ میں جو خوبصورتی، سکون اور راحت ان کیلئے رکھا ہے وہ اس کو حاصل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ مگر معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی نے پورے نظام نکاح کو تہہ و بالا کر دیا ہے۔ اب یہی خوبصورتی سکون اور راحت ان کو شادی کے بغیر بھی میسر آ جاتا ہے لہٰذا شادی محض ذمہ داریاں بھگتانے کا نام لگتی ہے۔ بیوی کیلئے مضحکہ خیز لطیفے بنا کر ان کی تشہیر کی جاتی ہے اس کو دکھ، بیماری، ٹینشن اور سر درد سے تشبیہ دی جاتی ہے اس کے حقوق پورے کرنے کا

خیال ان کے دلوں میں آتا ہے اور نہ ہی حق تلفی کی صورت میں اللہ کو جوابدہی کا خوف ان کے دلوں کو لرزاتا ہے لیکن پھر بھی چار شادیوں کا شوق سب ہی مرد رکھتے ہیں اور اس حدیث کو وہ دین کا سب سے اہم فریضہ سمجھتے ہیں گویا مردوں کا دین بس چار شادیوں والی آیت اور حدیث تک محدود نظر آتا ہے۔

ازدواجی زندگی صرف شوق نہیں ہے، جو اپنے من مانے طریقے سے پورا کر لیا جائے اور نہ ہی ایک بوجھ ہے جسے ہر حال میں برداشت کرنا ہے اور نہ ہی کوئی کھیل ہے جس کے ٹوٹنے کی پروانہ کی جائے۔ بلاشبہ یہ ایک معاشرتی فریضہ ہے جس سے ایک خاندان وجود میں آتا ہے۔ ایسے ہی بہت سے خاندان مل کر معاشرے کو جنم دیتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں ایک غلط شکل میں خاندانی نظام اس حد تک رائج ہو چکا ہے کہ لوگ اسی کو اسلامی سمجھتے ہیں اور اگر کوئی اسلامی نظام خاندان کی بات کرتا ہے تو اس کو اچنبھے سے دیکھتے ہیں مرد حضرات کیلئے ضروری ہے کہ ازدواجی رشتے کو استحکام دینے کیلئے بیوی کے حقوق کا مطالعہ کریں۔ محض سنی سنائی یا افراد خاندان اور دوست احباب کے مشوروں پر چل کر اپنی زندگی کو تختہ مشق نہ بنائیں بلکہ از خود اسلامی کتب سے استفادہ حاصل کریں اور سیرت نبوی کا مطالعہ کریں۔ اگر وہ اپنی بیوی کے حقوق کا خیال رکھیں گے تو زندگی میں اس کے اچھے اثرات سمیٹیں گے اور آخرت میں بھی اللہ کے حضور جواب دہی کا عمل آسان ہو جائے گا۔

اسلام نے عورت کو بحیثیت بیوی بے شمار حقوق سے نوازا ہے۔ آیئے ان پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

حق مہر ادا کرنا

نکاح کے بعد مرد پر سب سے پہلا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کا حق مہر ادا کرے اور خوش دلی سے ادا کرے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اور عورتوں کو ان کے حق مہر راضی خوشی دو۔''

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کسی نہ کسی طرح مہر معاف کروا لیتے ہیں یا پھر ساری زندگی ٹال مٹول سے کام لیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ زندگی تمام ہو جاتی ہے۔ کچھ گھرانوں میں لوگوں نے 32 روپے مہر کو شرعی کا نام دے رکھا ہے یہ بالکل بے اصل بات ہے اور ایک سنگین مذاق ہے آج کل مہنگائی کے اس دور میں 32 روپے آٹھ آنے کس قدر بے وقعت ہیں ہم سب ہی اس سے آشنا ہیں تاہم محض نمود و نمائش کیلئے مہر میں غلو کرنے کو بھی نبی کریم نے ناپسند فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''بہترین نکاح وہ ہے، جس کا بوجھ کم سے کم پڑے (شعب الایمان بیہقی)

نان نفقہ کی ادائیگی

اسلام نے کاموں کی تقسیم کرتے وقت گھر کی دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش عورت کے ذمہ لگائی ہے اور یہ کام ہر وقت مصروفیت کے ہیں۔ جبکہ مرد کے ذمہ اپنے اہل و عیال کی ضروریات پوری کرنا ہے۔ ضروریات پوری کرنے کے ضمن میں ایک شرط چمنیور کو برقرار رکھنے کی بھی لگائی گئی ہے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ خود تو اعلیٰ درجہ کی پوشاک زیب تن کیے رکھتے ہوں اور بیوی بچے بے چارے معمولی کپڑوں میں گزارا کریں۔ خود تو مرغ مسلم، تکے اور کباب سے لطف اندوز ہوں اور بیوی بچے دال روٹی پر گزارا کریں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''جیسا خود کھاؤ ویسا ہی بیوی کو کھلاؤ اور

جیسا خود پہنو ویسا ہی بیوی کو پہناؤ۔'' یاد رکھیے بیوی بچوں کا رزق حلال پر پرورش کرنا، عبادت کا اونچا درجہ ہے۔ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

''ایک دینار تو وہ ہے جو تو نے جہاد کے سلسلے میں خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جس سے غلام کو آزادی دلانے میں مدد دی، ایک دینار کسی غریب پر خرچ کیا اور ایک دینار بیوی بچوں پر صرف کیا۔ یہ ان سب سے اجر میں بڑھ کر ہے۔'' (صحیح مسلم 995)

بیوی کا جیب خرچ

بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ اس کو کچھ رقم ایسی بھی دی جائے کہ جس کو وہ اپنی مرضی کے مطابق خرچ کر سکے یعنی جیب خرچ، مرد اپنی حیثیت کے مطابق اس جیب خرچ کو جتنی کر سکتا ہے۔ یہ رقم گھر خرچہ کی رقم سے علیحدہ دینی چاہیے کیونکہ گھر خرچہ کی رقم شوہر کی امانت ہوتی ہے اور بیوی اس بات کی مجاز نہیں کہ اس رقم کو وہ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی دوسری مد میں خرچ کر سکے حتیٰ کہ صدقہ خیرات کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے لہٰذا اگر بیوی کو ذاتی خرچ کیلئے الگ سے رقم نہ دی گئی تو وہ گھر خرچہ کی رقم سے ہی خرچ کرے گی جو کہ امانت میں خیانت ہو گی۔ (بیوی کے حقوق اور اسکی حیثیت از مولانا تقی عثمانی)

ذمہ داریوں کا بوجھ

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اپنے شوہروں کیلئے بناؤ سنگھار کا حکم دیا ہے بلکہ اس کو عبادت قرار دیا ہے۔ عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کیلئے زینت اختیار کرے، خوشبو کا اہتمام کرے اور خوش مزاجی سے پیش آئے۔ عورت کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ بچوں پر بھرپور توجہ دے اور ان کی ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرے جو کہ ایک ہمہ وقتی کام ہے۔ اگر عورت سارا دن گھر کے کاموں میں مصروف رہے گی نہ صرف شوہر اور بچوں کے کام بلکہ بھرے پرے سسرال والوں کے کاموں کی ذمہ داری بھی اس پر ڈال دی جائے گی تو وہ کس طرح اپنے فرائض حقیقی کو پورا کر سکے گی۔ سارا دن ماسیوں والے حلیے میں پسینے اور مصالحوں کی بو میں بسی رہے گی تو بھلا کیسے شوہر کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گی لامحالہ شوہر آنکھوں کی ٹھنڈک کیلئے غیر محرم سجی سنوری عورتوں کی جانب ہی التفات کرے گا خواہ وہ سجی سنوری عورتیں ٹی وی پر متحرک نظر آئیں یا کہیں اور میسر ہوں۔

یہی حال عورت کو ملازمت کیلئے مجبور کرنے کا ہے کفالت مرد کی ذمہ داری ہے عورت کی نہیں جبکہ وہ شوہر کی آمدن پر قناعت کرنے کو بھی بخوشی تیار ہے۔

اس طرح سارا دن مصروفیت کے باعث نہ تو بیوی اپنے بچوں کو وہ بھرپور توجہ دے سکے گی جس کے وہ حق دار ہیں اور نہ ہی شوہر سے خوش مزاجی سے پیش آ سکے گی۔ بیوی بھی انسان ہے کوئی مشین نہیں کہ بٹن دباتے ہی اس کا موڈ تبدیل کیا جا سکے۔ ظاہر سی بات ہے کہ دن بھر کی ذہنی اور جسمانی مشقت اس کے مزاج پر بھی اثر انداز ہو گی پھر اگر ایسے میں کبھی زبان پر کوئی تیز لفظ آ جائے تو اس کے سسرال والے فوراً ہی بدمزاج کے لقب سے نواز دیتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی حیثیت کے مطابق گھر میں نوکر رکھے۔ اگر نوکر رکھنے کی استطاعت نہیں ہے تو پھر خود بیوی کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹائے یہ کوئی باعث شرم اور باعث

عار بات نہیں ہے ہمارے پیارے نبی ﷺ بھی اپنی ازواج کے ساتھ مل کر کام کرواتے تھے۔ آنحضرت ﷺ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے، صفائی، دھلائی کے علاوہ دودھ دوہنے میں بھی بیویوں کی مدد فرماتے تھے۔ نیز دیگر سسرال والوں کے کاموں کیلئے بیوی کو مجبور کرنا بھی شوہر کی زیادتی پر مبنی ہے۔ ایک شخص کی منکوحہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت پر وہ کام بھی فرض کر دیئے جائیں جو شریعت نے اس پر فرض نہیں کیے۔ والدین کی خدمت بیٹے پر فرض ہے اگر بیٹا سعادت مند ہے تو وہ خود خدمت کرے یا خدمت کیلئے نوکر کا انتظام کرے۔ (اصلاح انقلاب ص 187/2 مولانا تھانوی۔ بیوی کے حقوق اور اس کی حیثیت از مولانا تقی عثمانی)

سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ شادی کے بعد عورت اپنے والدین کی خدمت کرنے کی مکلّف نہیں تو پھر سسرال والوں کی خدمت کی امید کیونکر رکھی جا سکتی ہے۔

گھر کا انتظام کرنا

مولانا اشرف علی تھانوی اپنی کتاب اصلاح انقلاب میں فرماتے ہیں ''نفقہ کا ایک جز بیویوں کو رہنے کیلئے گھر دینا بھی ہے۔'' اس کے مطابق ایک عام غلطی میں اکثر مرد اور بڑے بڑے دین دار لوگ مبتلا ہیں کہ بیوی کو جداگانہ گھر دینا اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتے۔ اپنے عزیزوں اور رشتے داروں یا والدین کے پاس عورت کو لا ڈالتے ہیں سو اس میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر ساتھ رہنے پر عورت بخوبی راضی ہو تب تو ٹھیک ہے ورنہ اگر وہ سب سے جدا رہنا چاہتی ہے تو مرد پر اس کا انتظام واجب ہے۔

اگر عورت اپنی زبان سے درخواست نہ کر سکے اور مرد کو اندازے سے بھی معلوم ہو جائے کہ وہ علیحدہ رہنا چاہتی ہے تو بھی مرد کو اسے سب کے ساتھ رکھنا جائز نہیں۔

خاوند اور اس کے عزیزوں کا خیال ہوتا ہے کہ اکٹھے رہنے کے بہت سے فائدے ہیں لیکن جہاں مسئلہ دوسروں کے حقوق کا ہو انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود غرضی سے اپنے فائدے کی سوچیں۔ آج کل حالات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اگر بیوی کے ساتھ رہنے پر راضی ہو اور علیحدہ رہنے سے سب رشتے دار ناخوش ہوں تب بھی مصلحت یہی ہے کہ شوہر بیوی کو علیحدہ ہی رکھے۔ اس میں ہزاروں مفاسد اور خرابیوں کی روک تھام ہے، اس طرح کرنے میں چند روز کیلئے عزیزوں کی ناک چڑھے گی مگر اس کی مصلحتیں جب سامنے آئیں گی تو سب راضی ہو جائیں گے۔ حضرت تھانوی تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ ''گھر علیحدہ ہو یا نہ ہو چولہا تو ضرور ہی علیحدہ ہونا چاہیے کیونکہ زیادہ تر آگ اسی چولہے سے بھڑکتی ہے بعض آدمی اس کو بڑی سعادت مندی سمجھتے ہیں کہ بیوی کو ماں کا ینئےم اور مغلوب بنا کر رکھیں اور اس کی بدولت بیوی پر زیادتی کرتے ہیں تو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ بیوی پر فرض نہیں کہ ساس کی خدمت کیا کرے تم سعادت مند ہو تو خدمت کرو یا خدمت کیلئے نوکر لاؤ۔ (اصلاح انقلاب ص 187/2، 188)

بیوی کے ساتھ محبت اور حسن سلوک

ازدواجی تعلق کی سب سے مضبوط بنیاد جذبہ محبت ہے یہ جذبہ موجود ہو تو ہی میاں بیوی کا رشتہ پروان چڑھتا ہے اور تربیت اولاد پر اچھے اثرات مرتب کرتا ہے، اور محبت مفقود ہو تو تعلق ایسا ہوگا جیسے دو اجنبی سفر کے دوران ریل

گاڑی میں ملے ہوں۔شوہر اور بیوی دونوں کیلئے ضروری ہے کہ خوش اخلاقی اور پیار ومحبت سے ایک دوسرے کے ساتھ پیش آئیں۔اہل وعیال کوخوش رکھنا بھی ہمارے نبی کے نزدیک دینی خدمت ہے۔حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا۔

کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہوں۔(ترمذی)

ایک اور روایت میں رسول ﷺ نے واضح فرمایا۔

آج محمد کے گھر والوں کے پاس ستر عورتوں نے چکر لگایا ہے ہر عورت اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی (میں تم سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ) جن لوگوں کی شکایت آئی ہے وہ تم میں سے اچھے لوگ نہیں ہیں (سنن ابی داؤد)

اچھے اخلاق سے مراد فقط اتنی نہیں ہوتی کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائی جائے بلکہ یہ کہ دوسرے کا دیا ہوا رنج بھی برداشت کرے اور اس کی سخت کلامی اور ناشکری پر صبر بھی کرے۔

پیار محبت کے اظہار میں کیے گئے چھوٹے چھوٹے کام بھی اللہ کے ہاں اجر کثیر کا باعث بنتے ہیں اگر شوہر محبت سے روٹی کا ایک لقمہ بھی اپنے ہاتھ سے بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے تو اس کا شمار بھی عبادت میں کیا گیا ہے۔

نبی کریمؐ کے ازدواجی تعلقات حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے آپ تمام ازواج مطہرات کے گھر میں تشریف لے جاتے ان کے پاس بیٹھتے۔ان کے حالات معلوم کرتے جب رات ہو جاتی تو وہاں تشریف لے جاتے جہاں باری ہوتی۔

حضرت عائشہؓ پیالہ کو جس جگہ منہ لگاتیں نبی کریم بھی ان سے پیالہ لے کر وہیں لب مبارک لگا کر پانی پیتے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ ہڈی پر سے گوشت کھاتیں تو آپ گوشت والی وہ ہڈی لے کر وہاں منہ لگاتے جہاں سے حضرت عائشہؓ نے کھایا تھا۔آپ ہمیشہ نرمی سے پیش آتے اور جب گھر میں تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے داخل ہوتے۔

نبی کریم کے ارشاد کے مطابق جب ایک شوہر اپنی بیوی پر پیار بھری نظر ڈالتا ہے اور بیوی بھی اس کی نظر کا ویسا ہی جواب دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کی بارش برساتا ہے اور شوہر اگر وفور محبت سے بیوی کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دباتا ہے تو ان کے گناہ ہاتھوں کی انگلیوں کے رخنوں سے گر کر جھڑ جاتے ہیں۔میاں بیوی کا باہمی اختلاط ان کے گناہوں کا کفارہ ہے۔(احیاءالعلوم)

غیر مہذب زبان کا استعمال

ہمارے معاشرے میں بیوی کو بات بات پر گالی دینا، بے عزت کرنا اور ایذا پہنچانا بھی مردوں کا روز کا معمول ہے۔بلا جواز غم وغصہ کا اظہار، عزت نفس کو مجروح کرنا، طعن وتشنیع اور غیر مہذب زبان کا استعمال بھی ظلم کے افعال میں شمار ہوتا ہے۔بعض مرد ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو ہر وقت بیوی کو ناقص العقل بے وقوف جاہل اور کم عقل گردانتے رہتے ہیں۔الفاظ سے نہ سہی رویے اور تاثرات سے سہی۔ اس سے بھی بیوی کی دل آزاری ہوتی ہے۔اگر بیوی سے کوئی خطا سرزد ہو جائے یا وہ اپنی تلخ باتوں سے اسے خفا کر دے تو شوہر کو چاہیے کہ وہ تحمل اور ضبط سے کام لے۔بیوی ناقص العقل ہے مگر وہ خود تو عقل مند ہے ناں تو پھر وہ کیوں اپنی عقل مندی اور مہر ومحبت سے عورت کی اصلاح نہیں کر لیتا۔ایک حدیث میں رسول اللہ نے عورتوں کو شیشوں سے

مشابہ قرار فرمایا۔ صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں آپ نے عورت کو پسلی سے تشبیہ دی اور فرمایا ''عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ اگر تم اسے بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ بیٹھو گے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ اس لیے میں تمہیں ان کے حق میں اچھے برتاؤ کی نصیحت کرتا ہوں اس نصیحت کو قبول کرو (صحیح بخاری)

شریعت نے تو ملازم کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا ہے تو پھر بیوی تو اس کی شریک حیات اور اسکے بچوں کی ماں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم سے پوچھا اے اللہ کے رسول ہم اپنے ملازم کو کتنی مرتبہ معاف کریں۔ آپ خاموش رہے۔ اس شخص نے اپنا سوال پھر دہرایا آپ پھر خاموش رہے جب اس شخص نے اپنا سوال تیسری مرتبہ کیا تو آپ نے جواب دیا، اسے ہر روز ستر مرتبہ معاف کرو۔

اسلام کی شان دیکھیے ملازم کو بھی ہر روز ستر مرتبہ معاف کرنے کا حکم ہے تو پھر کیوں مرد حضرات ذرا ذرا سی بات پر بیویوں کو دھنک کے رکھ دیتے ہیں یا ان کی غلطیوں کو سالوں کیلئے پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

تفریحی مشاغل کا اہتمام

آج ہمارے معاشرے میں اکثر شوہر اپنی حاکمیت کے مظاہرے کیلئے تو ہر وقت آمادہ نظر آتے ہیں لیکن حسن سلوک کے معاملے میں تہی دست ہیں۔ وہ خود تو گھر سے باہر اپنا وقت لگا کر آتے ہیں مگر بیویاں بے چاری سارا دن گھر میں بند گزار دیتی ہیں ایسے میں ان کی دل جوئی کیلئے انہیں سیر و تفریح کے مشاغل مہیا کر دینے سے بیویوں کو بے حد خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ازدواجی رشتوں کو استوار کرنے اور خانگی زندگی میں قوس قزح کا رنگ بھرنے کیلئے بھی ضروری ہے کہ شوہر اپنی بیوی کیلئے مناسب اور موزوں سامان تفریح فراہم کرے۔ ایک مرتبہ عید کے موقع پر گھر کی دیوار کی اوٹ سے آپ نے حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کی نیزہ بازی کا منظر دکھایا تھا۔ ایک اور مرتبہ نبی کریم نے حضرت عائشہؓ سے دوڑ لگائی۔ حضرت عائشہؓ کا جسم اس وقت دبلا پتلا تھا اس لیے وہ دوڑ میں آگے نکل گئیں کچھ مدت بعد پھر دوڑ لگی تو وہ پیچھے رہ گئیں اس لیے کہ اس وقت جسم کچھ فربہ ہو گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، یہ اس دوڑ کا بدلہ ہے۔

آپ جب کبھی سفر میں جاتے تو اپنی ازواج میں سے کسی کو ساتھ لے جاتے۔ آپ قرعہ ڈالتے تھے جن کا نام آتا وہ ساتھ جاتی تھیں۔ (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپ کی دعوت کی آپ نے حضرت عائشہ کی ہمراہی کے بغیر ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔ یہاں تک کہ اس نے حضرت عائشہؓ کو بھی مدعو کیا اس کے بعد آپ حضرت عائشہ کے ہمراہ اس کے گھر گئے گویا آپ نے یہ گوارہ نہ فرمایا کہ بیوی گھر میں بھوکی رہے اور میں باہر دعوتیں کھاؤں۔

بیوی کی کمائی

بعض شوہر اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ شادی کے نتیجے میں انہیں مفت کی ایک نوکر بلکہ ایک لونڈی ہاتھ آ گئی ہے نوکر تو زیادہ سختی کرنے پر ملازمت چھوڑ کر بھی جا سکتا

ہے اور بغیر تنخواہ کے ایک دن بھی کام نہیں کرے گا۔ جبکہ بیوی بے چاری نہ تنخواہ مانگ سکتی ہے اور نہ آسانی سے چھوڑ کر جا سکتی ہے۔ ایسے میں شوہر بیوی سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ گھریلو کام کاج کے علاوہ کاروبار کے سلسلے میں بھی ان کی مدد کریں یا ملازمت کریں اور گھر کے اخراجات پورے کرنے میں ہاتھ بٹائیں۔ عورت سے ملازمت کرانا بھی ظلم اور ناانصافی کے زمرے میں آتا ہے۔ البتہ خود ملازمت کرنا چاہے تو اس سلسلے میں وہ اپنے شوہر سے اجازت لینے کی پابند ہے۔

رات میں بیوی کے پاس رہنا

بعض گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ مرد راتوں کو دیر تک گھر سے باہر وقت گزارتے ہیں دوست یاروں کے ساتھ خوش گپیاں کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ یا بلا ضرورت ہوٹل میں بیٹھے چائے کے دور چل رہے ہوتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ رات کا وقت اللہ نے فقط تین کاموں کیلئے جیتنی کیا ہے یا تو سونے کیلئے تاکہ دن بھر کی تھکان دور ہو جائے، بیوی سے ازدواجی تعلقات کیلئے اور عبادت کیلئے۔ اسکے علاوہ کسی اور کام میں بلا ضرورت مشغول رہ کر یہ قیمتی وقت غیر فطری طور پر ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔ بعض گھروں میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مرد بیوی سے بالکل لاتعلق اور لاپروا رہتا ہے۔ سال سال بھر تک باہر بیٹھک میں سونا پسند کرتا ہے۔ لیکن بیوی کے ساتھ نہیں سوتا اب یا تو کہیں اور تعلق پیدا کیا جاتا ہے یا ویسے ہی باہر رہتے ہیں اور بیوی کے حق سے غافل رہتے ہیں حالانکہ رات کو اس کے پاس سونا بھی شرعاً اس کا حق ہے۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ بات بات پر عورتوں کی خطائیں نکالی جاتی ہیں اور اس کی وجہ سے بات چیت ترک کر دی جاتی ہے یا گھر میں سونا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ خطا اس درجہ کی نہیں ہوتی۔ (حقوق البیت ص 21)

کچھ مرد بیوی کے بجائے ماں کے ساتھ سونے کو ترجیح دیتے ہیں ثواب کی غرض سے یا ماں کی محبت میں۔ اکثر مائیں بھی بیٹوں کو مختلف حیلے بہانوں سے اپنے پاس ہی روکے رکھتی ہیں تاکہ وہ بیوی کے پاس نہ جانے پائے۔ اس سے بڑھ کر مضحکہ خیز اور کیا بات ہوگی جبکہ شریعت ماں سے 7 سال کی عمر میں ہی بستر الگ کرنے کا حکم دیتی ہے۔ الگ سونے کے باعث شوہر اور بیوی دونوں کے غلط کاری کے مرتکب ہونے کا خطرہ بھی رہتا ہے۔ اس کا ذمہ دار کون ہو گا۔ بعض مرد ایسے بھی ہیں جو بیوی کی رضا مندی کے بغیر دوسرے ملک یا دوسرے شہر میں مقیم رہتے ہیں خواہ روزی کمانے کی غرض سے یا سیر و تفریح کی غرض سے یہ بھی جائز نہیں ہے۔ فقہ حضرت عمرؓ کے مطابق 4 ماہ سے زیادہ کسی مرد کیلئے جائز نہیں کہ وہ بیوی کی اجازت کے بغیر اس سے دور رہے۔

بیوی سے بے وفائی

میاں بیوی کی بے اعتدالیوں اور سسرال والوں کی بے جا مداخلت کے نتیجے میں گھریلو زندگی متاثر ہوتی ہے۔ بیوی کے ساتھ ساتھ شوہر کا سکون بھی غارت ہوتا ہے۔ اس صورت میں بجائے اس کے کہ وہ اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے بیوی سے تعلقات بہتر بنانے پر دھیان دے بلکہ غیر عورتوں سے دوستیاں کر لینا آسان سمجھتا ہے۔ آج

کل انٹرنیٹ پر چیٹنگ اور ٹیلی فونک دوستیاں غیر عورتوں سے تعلقات قائم کرنے کے زمرے میں ہی آتا ہے۔اس پر مزید ظلم یہ کہ ماں بہنیں اور دوست یار بیوی کے ساتھ سلوک پر تو بہت نصیحتوں سے نوازتے ہیں اور ازدواجی زندگی میں مداخلت کو اپنا فرض عین سمجھتے ہیں، لیکن اگر ان کا بیٹا بھائی یا دوست غلط تعلقات قائم کرتا ہے تو اس ناجائز نازیبا اور قبیح فعل پر اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ایسی صورت میں جب میاں بیوی کا رشتہ ٹوٹتا ہے تو اس کے ذمہ دار سراسر وہی افراد ہوتے ہیں جو مرد کو شہہ دیتے ہیں۔

غیر عورتوں سے تعلقات قائم کرنا بلاشبہ بیوی پر بہت بڑا ظلم ہے یاد رکھیے اللہ تعالیٰ سب پر طاقت رکھتا ہے اگر شوہر اس معاملے میں محتاط نہیں ہے تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی آفت آ پڑے۔فی زمانہ یہ برائی اس حد تک پھیل گئی ہے کہ لوگ اب اس کو برائی ہی نہیں سمجھتے۔ اس کے جہاں بے شمار نقصانات ہیں وہاں ازدواجی زندگی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔اس برائی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کی طرف سے بے رخی اختیار کر لیتا ہے بیوی کے بجائے کوئی اور عورت توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔اس کا نفس اس کی نظروں میں بیوی کو کم تر اور غیر جاذب نظر کر کے دکھاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''آنکھوں کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے (بخاری) شہوت سے لبریز ٹکٹکی لگا کر دیکھنا زنا کی طرف پہلا قدم ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، زنا کے قریب بھی مت جاؤ (بنی اسرائیل)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جب ایک بیتن کی نظر پہلی بار کسی عورت کے حُسن پر پڑے اور وہ اپنی نگاہیں نیچی کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ عبادت نصیب کرتا ہے جس کی حلاوت وہ خود محسوس کرتا ہے۔'' (مسند احمد)

پچھلے وقتوں کے مرد حضرات دل بہلانے کیلئے بدنام زمانہ جگہ کا رخ کرتے تھے۔مگر آج کل مردوں کی آسانی کیلئے گھر گھر مجروں کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ایسے بھی مرد حضرات پائے جاتے ہیں جو فلموں اور ناچ گانوں کے بے حد شوقین ہوتے ہیں اور اب مجرہ دیکھنے کیلئے انہیں بالا خانے پر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ہر چینل پر ایک سے بڑھ کر ایک مجرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔مرد اپنے بیوی بچوں اور گھریلو مسائل سے نظریں چرا کر اپنی نظریں ٹی وی سکرین پر گاڑ کر گھنٹوں اسی مشغلے میں غرق رہتے ہیں یہ بھی زنا کے زمرے میں آتا ہے۔دل بہلانے اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے کیلئے انٹرنیٹ چیٹنگ اور موبائل دوستیاں بھی زنا کے زمرے میں آتی ہیں۔

خانگی جھگڑوں اور معاشرے میں طلاق کے بڑھتے ہوئے رجحان کا ایک بڑا سبب مردوں کی اسی اخلاقی برائی میں پوشیدہ ہے۔شریعت غیر عورتوں سے دوستی اور ہر قسم کے تعلق کو زنا کی قسم قرار دیتی ہے اور یہ اپنی بیوی سے بے وفائی کے مترادف ہے۔آپ کی پیاری پیاری باتوں، لہجے کی مٹھاس اور مسکراہٹ کی حق دار آپ کی بیوی ہے جس طرح شوہر اپنی بیوی سے وفاداری کی امید رکھتا ہے '' بیوی بھی شوہر سے ویسی ہی وفا کی امید رکھتی ہے۔

اسلام میں سب سے سخت ترین اور ذلت آمیز سزا اسی جرم کی رکھی گئی ہے۔غیر شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا تو پھر

بھی ایک درجہ ہلکی ہے لیکن شادی شدہ مرد اور عورت کیلئے تو اس سے بھی ذلت آمیز سزا ''رجم'' رکھی گئی ہے یعنی سرعام سنگسار کرنا یہاں تک کہ موت واقع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے ؟ اس جرم کے نقصانات اتنے ہی زیادہ ہوں گے جب ہی اللہ نے ایسی عبرت ناک سزا رکھی ہے۔ شادی شدہ مرد اور عورت اپنی خواہش پوری کرنے کے جائز ذرائع رکھتے ہوئے بھی ناجائز ذرائع کی طرف رجوع کرتے ہیں اس سے بڑھ کر رب کی ناشکری اور احسان فراموشی اور کیا ہوگی۔

طلاق

اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز کاموں میں سب سے ناپسندیدہ کام طلاق دینا ہے۔ یعنی بہتری کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور اصلاح کے تمام اقدمات ناکام ہو جائیں تو پھر طلاق کی صورت سامنے آتی ہے۔ یہ ایک آخری اور ناگزیر راستہ ہے مگر ہمارے معاشرے میں شادیاں ایک مشکل عمل جبکہ طلاق بے حد آسان عمل بن کر رہ گیا ہے۔ مردوں کی نوک زبان پر ہر وقت یہی ایک لفظ رہتا ہے وہ بات بات پر اپنی بیویوں کو طلاق کی دھمکی دیتے رہتے ہیں گویا ہر وقت عورت کے سر پر طلاق کی تلوار لٹکتی رہتی ہے اور بے چاری طلاق کے خوف سے ہر ظلم و زیادتی کو خاموشی سے برداشت کرتی رہتی ہے۔ اسلام بیوی سے ناچاقی کی صورت میں اختلافات حل کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے اگر میاں بیوی آپس کے اختلافات خود سے حل کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں تو تصفیہ کیلئے دونوں طرف کے بزرگوں کو اکٹھا کریں جو معاملے کی تحقیق کریں اور دونوں کو یا جس کا قصور ہو اس کو سمجھائیں۔ اگر قصوروار بیوی ہی ہے تب بھی اسلام اس کے ساتھ صبر برداشت، صلہ رحمی اور حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے۔ بے شمار انبیاء کرام کی مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں۔

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ دونوں اللہ کے جلیل القدر ؟ بکئی سو سالوں تک اپنی نافرمان کافروں کی ہم نوا بیویوں کی اصلاح اور انہیں عذاب الٰہی سے بچانے کیلئے کوشاں نظر آئے ہیں۔ انتہائی نامساعد حالات میں بھی انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق نہ دی۔ اللہ کے ان نیک بندوں نے آخری دم تک اس رشتے کو نبھانے کی کوشش کر کے آج کے مردوں کو یہ سبق دیا کہ رشتوں ناتوں کا تعلق توڑنے کیلئے نہیں ہمیشہ کیلئے ہوتا ہے۔

یوں معمولی معمولی بات پر رشتہ توڑ دینا سراسر نادانی ہے اور بے وقوفی بلکہ خودغرضی کا مظہر ہے کیونکہ اس رشتے سے صرف دو افراد متاثر نہیں ہوتے بلکہ ساتھ میں معصوم بچے بھی آپ کی خودغرضی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ ان غنچوں کو بن کھلے ہی نہ مرجھا جانے دیں بلکہ مل جل کر ان کی حفاظت اور تربیت کریں تاکہ وہ ثمر دار درخت بن کر آپ کیلئے اور پورے معاشرے کیلئے گھنی چھاؤں کا کام کریں اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں۔

عورتوں سے اللہ کا وعدہ

مولانا تھانوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ آج کل حالت یہ ہے کہ مرد تو اپنے حقوق بیوی کے ذمہ سمجھتے ہیں لیکن بیوی کے حقوق اپنے ذمہ نہیں سمجھتے۔ آپ دیکھیں گے کہ آج کل ہینڈم کے حقوق مردہ ہیں، صاحب حکومت اپنے حقوق

وصول کر لیتا ہے اویننم کے حقوق مردہ سمجھے جاتے ہیں کیونکہ وہ کمزور ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔

شوہر اپنی بیوی کو پیر کی جوتی، پھٹا ہوا موزہ یا بے دام لونڈی نہ سمجھے بلکہ شریک سفر، باعث راحت، اپنا لباس اور عزت وناموس سمجھے اس کی قدر کرے اور اللہ کی ناشکری سے بچے۔ اللہ کے عذاب سے ڈرے اور یہ نہ بھولے کہ مظلوموں اور کمزوروں کا مددگار اللہ ہے۔

حدیث کا مفہوم ہے کہ جس شخص کا کوئی مددگار نہ ہو، خدا اس کا سب سے زیادہ مددگار ہے۔ چنانچہ مظلوم کی بددعا کا رد نہ ہونا اسی پر مبنی ہے۔ حدیث ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ (مشکوٰۃ)

حرف آخر

بلاشبہ شوہروں کی طرح بیویوں پر بھی اپنے شوہروں کے بے شمار حقوق ہیں جن کی بجا آوری بیوی پر لازم ہے۔ شریعت کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ شوہر بیوی کی اطاعت کرے اور اس کی نازیبا اور ناجائز خواہشات و مطالبات کو بھی مانے۔ اللہ تعالیٰ نے گھر کا سربراہ اور حکمران شوہر کو ہی بنایا ہے اور خاندان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ درای اس پر ڈالی ہے مگر ذمہ داریوں اور اختیارات میں توازن رکھنا، رعایا کے حقوق کا خیال رکھنا اور اس کو خوش رکھنا ہی ایک اچھے حکمران کی خوبیاں ہیں۔ اگر کوئی شوہر اس معاملے میں کوتاہی برتتا ہے تو وہ اس غفلت کیلئے اللہ کے یہاں جواب دہ ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ''مرد اپنے خاندان کا گڈریا ہے اور اس سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔'' (صحیح بخاری)

کرہ ارض پر زندگی کی ابتداء اللہ رب العزت نے شوہر اور بیوی کے تعلق سے ہی کی تھی نہ کہ باپ بیٹے، ماں بیٹے، بھائی بھائی یا بہن بھائی کے رشتے سے، لہٰذا اسی بات سے اس رشتے کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کو آزمائش میں مبتلا کرنے کیلئے ہاروت اور ماروت دو فرشتوں کو ۔ ۔ جن کے پاس لوگ جادو کروانے صرف اور صرف اسی غرض سے آتے تھے کہ میاں اور بیوی میں جدائی ڈال سکیں گویا میاں اور بیوی میں جدائی ڈالنے سے بڑھ کر کوئی فساد اللہ کے نزدیک نہیں ہے۔ یوں ان کے جرم کی وجہ سے اللہ نے اس بستی کو عذاب کا حق دار ٹھہرایا۔ (سورہ البقرہ)

ایک اور حدیث میں بھی میاں بیوی کے درمیان جھگڑا کرانا سب سے بڑا شیطانی کام قرار دیا گیا ہے اور جس پر شیطان اپنے چیلے کو خوب شاباشی دیتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اپنی زندگیوں اور اعمال پر غور کریں کہ کہیں ہماری وجہ سے دانستہ یا نادانستہ یہ فعل تو سرزد نہیں ہو رہا کہیں ایسا نہ ہو کہ جس فعل کو ہم بے حد معمولی سمجھ رہے ہیں وہ ہمارے زندگی بھر کے نیک اعمال نماز اور روزوں کو غارت کر دے اور ہم ہی شیطان کی شاباشی کے حقدار ٹھہریں۔

یہ عام بات ہے کہ بیوی کے ساتھ التفات اور حسن سلوک سے پیش آنے پر لوگ ''جورو کا غلام'' کہنے لگتے ہیں۔ لیکن اگر بیویوں کے ساتھ التفات اور نرمی سے پیش آنا اور ان کے جائز شرعی حقوق پورے کرنا جورو کا غلام کہلانے کے مترادف ہے تو پھر اس لقب پر فخر کرنا چاہیے کہ ہمارے نبی سرکار دو عالم ﷺ سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں سے التفات فرماتے اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔

☆☆☆

رات اب بھی باقی تھی!

رجب المرجب کی شب تھی وہ ستائیسویں
چاند تھا نہ تارے تھے چار سو اندھیرا تھا
ہر طرف خموشی تھی!!
اپنے اپنے خوابوں میں اہلِ شہر کھوئے تھے
دفعتاً ہوئی دستک، شافع اُمم کے گھر
(اتنی رات کو مجھ سے کون ملنے آتا ہے!!)
در کھلا تو دیکھا تھا جبرئیلؑ در پر ہیں،
کہہ رہے ہیں" ۔ ۔ ہے مجھکو اس گھڑی اس نے"
آپ کو بلایا ہے دو جہاں کے خالق نے
اس براق پر بیٹھیں! سوئے آسماں چلئے!
جبرائیل کے ہمراہ ساتوں آسماں دیکھے،
آپ نے امامت کی انبیاء رسولوں کی
جنت و جہنم کو اپنی آنکھ سے دیکھا،
پھر مقام سدرہ پر جبرائیلؑ یوں بولے
اب یہاں سے آگے تک آپ جایئے تنہا
میں تو جا نہیں سکتا!!
آمنہ کے بیٹے نے رب کے سامنے جا کر
اپنی ذات کی خاطر، اپنی آل کی خاطر
(فکر تھی تو امت کی، غم تھا کچھ تو امت کا!)
بس کہا کہ امت کو میری بخش دے مولا!
ایک ماہ کے روزے ان پر فرض کر مولا!
ان پر کم سے کم کر دے تو نماز کے اوقات!!
رحمت دو عالم پھر لوٹ آئے اپنے گھر،
(لوگ اب بھی سوئے تھے، رات اب بھی باقی تھی)
ہل رہی تھی دروازے پر پڑی ہوئی زنجیر
جا چکے تھے جبرائیلؑ!!
(یعنی چند ساعت میں ہو چکا تھا یہ سب کچھ!!)

شمیم فاطمہ

غزل

ہے دل میں ایک داغ کی صورت غموں کا مَس
اوراس پہ مستزاد یہ میری شبِ قفس

بنجر زمیں کی گود میں پھیلے ہیں خار و خس
اے ابر برِ شگال ذرا ٹوٹ کے برس

دل بجھ گیا ہے اور ہے یہ روح مضطرب
جب سے بساطِ حُسن پہ ہے منصبِ ہوس

چیزوں کا آج باقی تمہیں کوئی امتیاز
زنجیر کی صدا ہو یا آوارہِ جرس

میں حادثے کو کیسے نئی رُت کا نام دوں
اور کس سے حالِ زار کہوں میرے ہم نفس

یہ تلخیاں تمام تو خوشیوں کے دم سے ہیں
شیرینیِ حیات ہے دل کے غموں کا رس

کرامت بخاری

دائرے

یہ نظمیں دائرے ہیں
گردان کے روز و شب تنہا ہی گھومے جا رہی ہوں
میں ان نظموں میں ڈھلتی جا رہی ہوں
میں ان سے اس ہتھیلی کو چھڑا کر اب کہاں جاؤں
سبھی ہاتھوں کی پوریں حرف بنتی جا رہی ہیں
بہت سے ریشمی دھاگوں میں
ایسے بے طرح الجھی ہوں
مجھ کو راستہ اپنی رہائی کا دکھائی ہی نہیں دیتا
عجب لفظوں کے رستے ہیں
بھٹکتی ہوں تو جنگل میں اکیلی
کھلی کچھ ان کھلی گرہوں میں اس دل کی پہیلی
کبھی جب نقطہ نقطہ گونجتا ہے چپ کے گنبد میں
سنائی ہی نہیں دیتا
بہت سے ریشمی دھاگوں میں ایسے بے طرح الجھی ہوں
مجھ کو راستہ اپنی رہائی کا دکھائی ہی نہیں دیتا
بہت بکھرے ہوئے جملے مرے لب کھولنے تک
پتّی پتّی ہو کے رہ جاتے ہیں
ان نظموں کی صورت
جو ہمیشہ نامکمل ہی رہیں گی
اگر میں رات بھر لکھوں تو پھر بھی
اگر میں ان کے پیچھے عمر بھر بھاگوں تو پھر بھی
اگر میں اختتامِ زیست تک جاگوں تو پھر بھی
یہ نظمیں نامکمل ہی رہی گی
یہ نظمیں دائرے ہیں

رخشندہ نوید

ڈاکٹر شگفتہ نقوی

لا پتہ

میرا نام رباب ہے۔ میری امی اور ابو مجھے روبی کہتے ہیں۔آپ مجھے نہیں جانتیں لیکن میں آپ کو جانتی ہوں میری التجا ہے کہ میرا خط آخر تک ضرور پڑھیے گا۔آپ مصروف لوگ ہیں پتہ نہیں،لیکن میری خاطر میں بڑی حسرت سے یہ خط لکھ رہی ہوں۔

آج سے دس سال پہلے جب میری عمر پانچ سال تھی۔ ایک دن ابو دفتر گئے پھر واپس نہیں آئے۔

میرے دل میں امید کے دیئے اور آنکھوں میں انتظار کے آنسو ختم ہوگئے ہیں ۔ میں نے اسی سال میٹرک کے امتحان میں دوسری پوزیشن لے کر پاس کیا ہے۔لیکن یہ خوشی کرچی کرچی ہوکر نہ صرف میری روح بلکہ آنکھوں اور جسم میں پیوست ہوگئی ہے۔ یہ ساری محنت اس لئے کی تھی کہ جب ابو آئینگے تو کتنے خوش ہوں مگر اس کامیابی پر فخر کرینگے۔ مجھے گلے لگا کر میرا ماتھا چومیں گے۔ میرے لئے چوڑیاں، رنگین کپڑے، کہانیوں کی کتابیں اور بولنے والی گڑیا، یہی تو وعدے کیے تھے انہوں نے۔

ہم نے دفتر سے پتہ کرایا کہ ابو گھر نہیں آئے تو انہوں نے کہا کہ کچھ لوگ انکو تفتیش کیلئے اسلام آباد لے گئے ہیں۔ امی نے پوچھا کیسی انکوائری اور کیوں؟ ان کا دامن تو ہر کرپشن اور بے ایمانی سے پاک ہے۔ پھر ہم نے اسلام آباد کا پتا مانگا۔فون نمبر ای میل لیکن ہر کان دیوار اور ہر آنکھ پتھر بن گئی، ہر احساس قبرستان بن گیا۔ امی مجھے لئے لئے تھانوں میں گلیوں میں ایوانوں میں پھرتی رہیں۔ کپڑے میلے ہوگئے، پسینے ختم ہوگئے، رنگ سنولا گئے، پاؤں میں چھالے اور بالوں میں مٹی جم گئی۔ جس شخص سے بات کرنے کی کوشش کی اس نے راستہ بدل لیا۔ پہاڑ کی طرح پتھر، مغرور بلند اور خاموش ۔حالانکہ خوف خدا سے کچھ پتھر ٹوٹ جاتے ہیں ، پھٹ جاتے ہیں، اور ان سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں لیکن ہمیں ایسا کوئی سنگ راہ نہ ملا۔

ڈاکٹر صاحبہ! مجھے بتائیں کہ انسانی زندگی میں بھوک کے علاوہ کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، انسانی روح ،احساس، سوچ، خیال، جذبے، خواب ارادے، وعدے، رشتے، تعلق، دوستی، محبت، ہمدردی، خدا ترسی، خوف خدا، انسانیت، درد دل، آپ تو لکھاری ہیں، مجھے تو لکھنا بھی نہیں آتا، یہ صرف الفاظ ہیں، کھوکھلے، ناکارہ، بیکار، فرسودہ، ڈکشنری کی زینت، ان کا کوئی مطلب نہیں ہے۔آپ بھی تو اپنی تحریروں میں لکھتی ہیں کیا ان کا اثر ہوتا ہے؟ کس پر ہوتا ہے مجھے ضرور بتایئے گا۔

میری امی اور ابو کی شادی محبت کی تھی اور بے مثال جوڑا۔ امی جب رات کو مجھے لوری سناتیں تو میں انکی سسکیاں سن سکتی تھی۔ میں سوتی بن جاتی تاکہ وہ کروٹ

بدل کر کھل کر رولیں، ان کے آنسو میرے دل پر گرتے رہتے اور میں ابو سے کہتی، ابو آپ زندہ ہیں نا، کیونکہ میرا دل نہیں مانتا، مگر آپ کہاں ہیں، کیسے ہیں، ہمارے پاس کیوں نہیں ہیں، میں امی کو حوصلہ دیتی ہوں، باتیں کرتی ہوں، ان کا دل بہلاتی ہوں، آپ کے پاس کون ہوگا ،خاموش پتھر کی دیواریں،لوہے کے جنگلے اور فولادی تالے، پہر یدار،سوال بے شمار سوال، ابو میں خواب نہیں دیکھتی کیونکہ مجھے نیند ہی نہیں آتی تو خواب کیسے دیکھوں، آپ چلے گئے تو سارے رشتے داروں نے منہ پھیر لیا،ایک سال تک آپکی تنخواہ ملتی رہی پھر بند ہوگئی۔کاش مجھے کوئی بتادے ابو کا قصور کیا ہے۔ان پر الزام کیا ہے۔ وہ تو محبت کرنیوالے، سچ بولنے والے اور دوسروں کے دکھ پر تڑپ اٹھنے والے تھے لیکن

؎ اپنے درد پہ ہائے ہائے میرے درد پہ سب خاموش

وہ ڈوبیں تو دوڑو لوگو! ہم ڈوبیں تو سب خاموش

پھر امی نے ایک سکول میں نوکری کر لی،اسی سکول میں مجھے داخلہ مل گیا،تنخواہ آدھی ملتی لیکن دستخط والی شیٹ پر پوری لکھی جاتی۔امی گھر میں ٹیوشن پڑھاتیں۔شاید آپکو علم ہو یا نہ ہو لیکن میں آپ کو بتاتی ہوں کہ سب سے ظالم لفظ کونسا ہے ۔آج کی دنیا میں۔ وہ لفظ میری معصومیت، میرا بچپن، بے فکری،خوشیاں،میرا لڑکپن نگل گیا،اس عفریت نے میرے خواب کھالئے،میرے احساسات میں زہر گھول دیا۔ میری نوجوانی کا الہڑ پن،قہقہے اور نیند چاٹ گیا۔میری مسکراہٹ کو زخمی کر دیا۔ مجھ سے شفقت اور محبت کا مفہوم چھین لیا، مجھے اپنے گھر کی چھت تلے رہتے ہوئے ،کمتری اور محرومیوں کے تپتے صحرا میں لا پھینکا، دوستی کے جام شیریں کی بجائے تنہائی کا زہر پینا پڑا، زمین پر رہتے ہوئے میرے سر سے آسمان کی چادر چھین لی۔میں چاند تاروں کی آنکھ مچولی اور نور کی بجائے بحر ظلمات میں ڈوب گئی۔

اس لفظ نے مجھے زندہ رہتے ہوئے قطرہ قطرہ موت پلائی، میں نے بستر کی تنہائی میں قبر جیسی ٹھنڈ اور خوف محسوس کیا ،اس لفظ نے مجھے انسانوں کے جنگل میں بے بسی اور اذیت سے دوچار کیا۔ ہر شام میری منتظر آنکھیں اور دروازے پر دستک کے تمنائی کان،سنگلاخ ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ جب درد حد سے بڑھ جائے تو دوا بن جاتا ہے۔لیکن میں نے اور امی نے تو ساری حدیں پار کر لیں ہیں۔ جب بھی یہ لفظ ہتھوڑے کیطرح میرے کان میں پڑتا ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ کہنے والے کا منہ نوچ لوں،لیکن ہاتھوں میں سکت اور پاؤں میں طاقت نہیں ہوتی، ہم یہاں زندہ رہنے اور لفظ سننے پر کیوں مجبور ہیں۔

میں نہیں جانتی کہ آپ نے کبھی اپنی کسی تحریر میں اس لفظ کو اتنی اہمیت دی ہو۔ پتہ تو ایڈریس ہوتا ہے، بندے کی شناخت ہوتی ہے،لیکن جب یہ ''لاپتا'' بن جائے تو یہ پانچ سالہ روبی کیلئے ایٹم بم ہوتا ہے جو نہ زندہ رہنے دیتا ہے نہ مرنے دیتا ہے، لوگ کبھی کبھی، میرے زخموں کی اذیت کو چیک کرنے کیلئے لٹمس پیپر کی طرح کہتے ہیں، یہ تو وہ لڑکی ہے، بہادر لڑکی، جس نے بورڈ میں پوزیشن لی ہے، جسکے والد دس سال سے ''لاپتہ'' ہوگئے تھے۔ یہ لفظ میرا تعارف ہے احساس ہے، اوڑھنا بچھونا ہے، روح کے ساتھ چمٹا ہوا آکٹوپس ہے، اس نے خوشیوں ،تازگی،شادابی، جوانی اور

سرشاری کا سارا خون چوس لیا ہے، لیکن یہ مجھ سے جدا نہیں ہوتا۔ کیا آپ کے علم میں اس سے زیادہ ظالم لفظ کوئی اور ہے؟ کیا کبھی آپ نے سوچا ہمارا کوئی وارث نہیں ہے۔ ہم لاپتہ ہی رہیں گے۔ کوئی ایسی حکومت، جج، پولیس، ادارہ، فوج، انسان، خواہ انصار برنی ہو یا چیف جسٹس..... مجھے اس سے نجات دلا سکتے ہیں؟ یا میں ساری زندگی اسی تعارف سے جی پاؤں گی؟ مرنے والوں کا پتہ انکی قبر ہوتی ہے، یہ تو بتائیں یہ لوگ جو لاپتہ ہوجاتے ہیں، یہ کہاں جاتے ہیں، مجھے کوئی اسکا جواب نہیں دیتا، لوگ میرا سوال سن کر منہ پھیر لیتے ہیں۔ آپ تو ایسا نہیں کرینگی نا؟ ڈاکٹر تو بہت رحمدل ہوتے ہیں، وہ تو کینسر کا علاج بھی کرتے ہیں، لیکن یہ لفظ ''لاپتہ'' ایسا کینسر ہے جس کا علاج ابھی تک دریافت نہیں ہوا، پلیز یہ جواب نہ دیجئے گا، مجھے دلجوئی، تسلی، حوصلہ اور ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ میرے ابو کو لا دیں یا اس لفظ سے نجات دلا دیں

آپکی بیٹی روبی

☆☆☆

مجھے کیا خبر تھی یارو.....

''خالہ زینب آ گئیں.....خالہ زینب آ گئیں۔'' شادی والے گھر میں یہ اعلان کس نے کیا۔؟ کسی کو علم نہیں، لیکن یہ ہر ایک نے دیکھا کہ کیا بچے، کیا بڑے، کیا کنواری کیا شادی شدہ دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں اترتی چلی آ رہی ہیں۔

''السلام علیکم خالہ۔''

''ہائے خالہ آپ اتنی دیر سے آئیں۔''

''خالہ زینب! السلام علیکم۔''

''یہ جگ خالہ زینب'' کون تھیں۔ محلّہ شیخاں کے مشہور انصار گھرانے کی معزز خاتون۔ ہر کسی کے دل میں ان کے کیلئے جگہ تھی اور ہر کسی کی جگہ ان کے دل میں۔ سچ پوچھیں تو ان کا دل اتنا وسیع وعریض تھا جس میں ہر چھوٹے، بڑے، اپنے، پرائے، امیر، غریب کی محبت وافر مقدار میں جمع تھی۔

حکمت، تدبر، نرمی اور لطافت ومحبت کے خمیر سے ان کا وجود تشکیل پایا تھا۔ کسی کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ ارے مشکل کیا ہے؟ خالہ زینب کو بلا لو۔ بغیر کسی پر احسان چڑھائے محبت کے ساتھ دوڑی چلی آئیں گی۔ بس پھر خاتون خانہ کی آدھی مشکل تو اسی وقت آسان ہو جاتی۔

وہ صرف ٹونے ٹوٹکے نہیں آزماتی تھیں ہر موقع پر کون سی دعا، کون سی آیت، کون سا صفاتی نام پڑھنا چاہیے۔

ان کی سمندروں سی خیر خواہی اور دعاؤں کے سیل رواں کے سامنے کون سی مشکل، مشکل رہتی؟ اسے آسان ہوتے ہی بنتی۔

کسی کی شادی کی تاریخ طے پانا ہے۔ منگنی کی رسم ادا کرنا ہے۔ پریشان کیوں ہیں؟ بس خالہ کو پیغام دے دیجئے اہل خانہ چھنکی نوں کے ساتھ بے فکری سے مذاکرات میں مشغول ہیں۔ چائے پانی، کھانا پینا، سب خالہ زینب اور گھر کے ملازموں کی ذمہ داری۔

اسی پر مت حیران ہوں کس کی خبر ملی ''خیر سے خوشخبری'' ہے خواہ وہ خوشخبری پہلے بچے کی یا دسویں کی۔ چند دن اوپر ہوتے ہیں خاتون الٹیوں متلی سے نڈھال جی کچا ہو رہا ہے۔ منہ سر لپیٹ کر گھر کے کونے کھدرے میں چھپی ہوئی ہیں۔ خالہ کو خبر ہونے دیں خالہ فوراً نہیں آئیں گی۔

جی بالکل! اب آپ حیران ہو رہے ہیں کہ جہاں فوراً آنا چاہیے تھا وہاں فوراً نہیں آ رہیں اس کی وجہ کیا ہے۔!!

ہے ناں؟؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں خالہ زینب بڑے اہتمام سے آتی ہیں۔ اوہو، اہتمام سے مراد میک اپ زیور نہیں بلکہ ایک منفرد انوکھا اور یادگار ''تھال'' لے کر آئیں گی۔ آپ اسے ''انڈین تھالی'' قسم کی کوئی چیز نہ سمجھئے۔ یہ تھال صرف اور صرف ان خواتین کیلئے ہوتا ہے جو ماں بننے کے مرحلے کے آغاز میں ہیں۔ اس تھال میں کیا ہوتا ہے۔ آیئے ذرا خود ملاحظہ کریں۔ گرم پکوڑے، کڑھی، پودینے کی چٹنی، تازہ تازہ قلاقند کی مٹھائی، املی کا ٹھنڈا شمنیا کھٹا پانی، چاول اور دس طرح کی مختلف ذائقوں کی چٹنیاں، مربے۔ اب آپ حیران مت ہوں ایسے کیوں؟

بات یہ ہے خالہ زینب کا خیال ہے (اور نیک خیال ہے) کہ ان دنوں میں مذکورہ خاتون کا دل جس کچی ، پکی، کھٹی ،میٹھی چیز کو چاہیے وہ چیز اسکے کھانے کو میسر ہو۔ خالہ کے نزدیک ایسی حاملہ عورت کو دل پسند چیز مہیا کرنا بہت بڑی عبادت اور کارثواب ہے۔ خاص طور پر کراری چیز جب وہ خاتون چٹخارے لے کر کھانے اور اپنی اس مراد پوری ہونے پر خالہ کی شکرگزار ہوگی خالہ کو دل سے دعا دے گی تو یہ دعا خالہ کے نزدیک بہت کم خوش نصیب لوگوں کو مل پاتی ہے۔

بہرحال واپس آتے ہیں خالہ کے استقبال کی طرف۔!!

پرتپاک استقبال اور خیر مقدمی کلمات کے بعد خالہ کی شادی والے گھر میں موجود کھانے پینے کی اشیاء سے تواضع کی گئی۔ سب کو علم تھا خالہ دو چار ہفتوں سے سکھر کے دورے پر گئی تھیں جہاں انکے جیٹھ کی بہو کے جڑواں بچے پیدا ہوئے تھے ۔خالہ زینب کو بطور اعزازی مددگار طلب کیا گیا تھا۔ لمبے سفر کے بعد خالہ کے چہرے پر کچھ تھکن کے آثار تھے۔ کھانے کے بعد خالہ نے حسب عادت چائے طلب کی۔ سردیوں کا موسم تھا اور خالہ کی چائے کبھی بھی اس موسم میں دارچینی اور چھوٹی الائچی کے بغیر نہ تیار ہوتی۔ بقول خالہ کے سردیوں میں ان دونوں چیزوں کا چائے میں استعمال گلے اور سینے کی چھوٹی بڑی خرابیوں سے بچنے ظر رکھنا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد چائے پی، نماز ادا کی۔

نماز کے بعد ذکراذکار دعا سے فارغ ہوئیں تو سر پر ہاتھ پھروانے والے امیدواروں کی لمبی لائن لگی ہوئی تھی۔

خالہ میرے ایف ایس سی کے پیپر ہونیوالے ہیں دعا کریں، میرے چار سو سے اوپر نمبر آئیں۔

دوسری آواز آئی خالہ میرا کل انٹرویو ہے جاب کیلئے بس آپ نے دعا ضرور کرنی ہے۔

''اللہ خوش رکھے، مرادیں پوری کرے، کامیابیاں عطا کرے، نہا تا دھوتا رکھے'' خالہ نے بہت پیار سے سب کو گلے لگایا اور دعا دی۔

''افوہ۔ زمر کا منہ کچھ کڑوا ہوگیا۔ اس کا مزاج بھی کچھ ایسا ہی تھا پل میں تولہ پل میں ماشہ قسم کا'' آسیہ بولی ''ایک تو خالہ آپ سے جو کام کیلئے کہیں آپ اختتام اسی مقدس دعا پر کرتی ہیں اللہ ہمیشہ نہا تا دھوتا رکھے بھلا یہ بھی کوئی دعا ہے جس کا ٹانکا ہر دعا کے ساتھ نتھی کرنا ضروری ہوتا ہے''

''شرم کرو مار یہ'' عفراء نے بیک وقت دائیں بائیں سے کہنی ماری۔

''نہ اس میں شرم کی کون سی بات ہے۔ ویسے بھی شرع میں شرم کیا'' زمر ڈھٹائی سے ہنس کر بولی۔'' آپ خود ہی بتائیں، دلہن رخصت ہو رہی ہے خالہ دعا دیں گی، اللہ گھر میں آباد رکھے۔ دلوں کو سکون دے۔ نہا تا دھوتا رکھے، اگر کسی کا بچہ دیکھنے گئی ہیں تو یہی کہیں گی، اللہ بچے کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے، کامیابیاں دے صحت کے ساتھ لمبی عمر دے نہا تا دھوتا رکھے۔ اب مجھے بتائیں اس کا راز بلکہ پس منظر کیا ہے آپ اس دعا کو کبھی نہیں بھولتیں۔''

خالہ نے اسے سینے سے لگایا۔ بہت دیر چپ رہیں جیسے کچھ کہنے کی ہمت پیدا کر رہی ہیں۔ چچی زاہدہ، پھوپھو رشیدہ کی آل اولاد بھی ان کے اردگرد جمع ہو چکی تھی۔ جب خالہ نے اپنے اوپر قابو پایا اور کہنے لگیں۔

'' بیٹے جس دعا کو تم فالتو ٹانکا سمجھ رہی ہو تم نہیں جانتیں اس دعا کی قدر و قیمت کیا ہے اور تم جان بھی کیسے سکتی ہو جو دعا میرے رگ رگ، روئیں روئیں سے صرف اپنے لئے نہیں سب کیلئے نکلتی ہے اسکا پس منظر کیا ہے؟'' خالہ کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ ''تمہیں نہیں علم میرے میکے میں ایک سے بڑھ کر ایک فرد تعلیم یافتہ تھا۔ کیا مرد اور کیا عورت سب ایک

دوسرے سے آگے تھے لڑکیوں کو جب سکول کی شکل نہیں دکھائی جاتی تھی میری پھوپھو بی نجمہ خانم نے انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کی یہ ایک ایسا اعزاز تھا جسکا مقابلہ اس وقت پاکستان کی چند ایک عورتیں ہی کر سکتی تھیں مذاجاً ،ملنسار اور ہمدرد پھوپھو بی کو اپنی اتنی بھاری بھرکم ڈگری کا ذرا بھی مان نہ تھا آتے ہی حکومت پاکستان نے انہیں تمغہ سے نوازا وزارت تعلیم نے نصاب مرتب کرنے کیلئے ان کی خدمات طلب کیں مقامی گورنمنٹ کالج کی پرنسپل شپ کا عہدہ تو تھالی میں رکھ کر ملا۔ خوبصورت، نوجوان، ہنرمند، خاندانی۔ کون سی تقریب تھی جس میں چھنکی ن خصوصی سے کم پر کوئی بھی راضی تھا۔ یہاں تک کہ بوتیک کا بھی افتتاح کرنا ہوتا تو فیتہ کاٹنے کیلئے نجمہ خانم کو مدعو کیا جاتا، دراز قد ،گلابی رنگت، بادامی آنکھیں، کالے سیاہ لمبے آبشاروں جیسے بال، ساڑھی تو لگتا تھا سجتی ہی ان کے وجود پر تھی نجانے کتنے دل تھے جو رشک سے اور کتنے تھے فخر سے دھڑکتے ڈی سی، اے سی تک کی بیگمات ان کے مشورہ کے بغیر کام نہ کرتیں۔ سیشن جج صاحب کی اہلیہ تو دوپٹہ بدل بنی ہوئی تھیں، ایسے شاندار کیریئر کے دوران خدا جانے وہ کون سی گھڑی تھی ۔نصیب کی سیاہی کیسے سارے کیریئر پر حاوی ہوگئی ۔وزیر تعلیم صاحب ان کے کالج کے دورہ پر آرہے تھے۔ان کے استقبال کیلئے وہ سٹیج سے نیچے اترتے ہوئے اس بری طرح سے پھسلیں کہ ہیل والا جوتا توازن نہ رکھ پایا، منہ کے بل سٹیج پر گریں، مرتے دم تک سیدھی نہ ہو پائیں، دماغ میں چوٹ، اعصابی تکلیف ،کمر میں چوٹ، سب دکھوں پر ایک دکھ بھاری۔محتاجی کا دکھ۔تمہیں پتہ ہے چندا، محتاجی کسے کہتے ہیں؟'' خالہ زینب نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا'' کھانے پینے ،اٹھنے بیٹھنے کی معذوری محتاجی نہیں کہلائی جاسکتی اصل محتاجی یہ کہ بندہ حالت شعور میں ہو اور وضو طہارت نہ کر سکے، تمہیں کیا خبر شہر بھر کی رونقوں کی جان میری پھوپھو بی کو یہ کیسے دکھ چمٹا۔دس سال وہ اس طرح زندہ رہیں کہ بستر کے ساتھ بستر بن گئیں۔طہارت کیلئے ہر وقت کسی نہ کسی بندہ بشر کی منتظر رہتیں، ہر چھوٹے بڑے ڈاکٹر سے علاج کروایا ،مگر یہ مرض لاعلاج تھا۔جس ملازمہ کو دگنی چوگنی تنخواہ پر رکھا۔ چار چھ ماہ میں اس کام سے بیزار ہو کر بھاگ جاتیں۔آخر میں تو بھانجیوں اور بھتیجیوں کے بھی بیاہ ہو گئے کوئی پردیس چلی گئی کسی کیلئے گھریلو مسائل ہی ظالم سماج بن جاتے۔ رفع حاجت طہارت کیلئے ان کی آنکھیں کسی نہ کسی کی منتظر رہتیں جب انکا انتقال ہوا تو ایک بچی یہ کام کروا دیتی تھی لیکن نہلانے کا کام بے چاری کم عمری کی بناء پر نہ کر پاتی اور وہ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئیں کہ ان کی ڈائری کے ہر صفحہ پر لکھا تھا۔

کاش مجھے کوئی نہلا دے۔

آج مجھے نہانا ہے۔

آج میرا نہانے کو دل چاہ رہا ہے۔

ان کی رخصتی کے بعد انہیں نہلا دیا گیا تو ان کی ڈائری خواتین کے ہاتھوں میں تھی ہر آنکھ اشکبار تھی۔اظہار تعزیت یا صدمے لئے نہیں۔سچ بات تو یہ ہے کہ ان کا جانا ان کی آسانی کا سبب بنا ہوگا، وہ دنیا کے دکھوں سے نجات پا گئیں۔وہاں جانا تو مقدر ہے، دکھ تو اس ندامت کا تھا کہ سب دنیا کے دھندوں میں اتنے کھب گئے کہ ایک معذور محتاج کو نہلا نہ سکے!!''

خالہ زینب ہچکیوں سے رو رہی تھیں'' بیٹا یہ سب کے کام آنے والی خالہ زینب اسی آس امید پر سب کے کام آتی ہے کہ اس دکھ اور اذیت کا مداوہ بن سکے۔ اس گناہ کا کفارہ ادا ہو جائے جو انجانے میں سرزد ہو گیا۔''

☆☆☆

ربیعہ ندرت

جنتِ گم گشتہ

یاسمین بے چینی سے سلمہ انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسکی چچازاد بہن تھی۔ دونوں کا بچپن اکٹھے ایک ہی گھر میں گزرا تھا۔ وہ دونوں ہم جماعت بھی تھیں اور ایک دوسرے کی دمساز وہمراز بھی۔ سلمہ شادی کے بعد امریکہ چلی گئی تھی۔ اور اب پانچ سال کے بعد پاکستان لوٹی تھی۔ اسکے میاں امریکہ میں ڈاکٹر تھے جبکہ یاسمین کے میاں مقامی کالج میں پروفیسر تھے۔

یاسمین کے گھر کے سامنے ایک بڑی سی چم چم کرتی کار آ کر رکی۔ ڈرائیور نے جھک کر مؤدب انداز میں دروازہ کھولا اور سلمہ بڑے ناز وانداز سے باہر نکلی۔ وہ بیش قیمت کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ اسکے بازو سونے کے کنگن اور چوڑیوں سے آراستہ تھے۔ ہاتھوں کی انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔ باریک ایڑی کا نفیس چوتا پہنے وہ نپے تلے قدم اٹھاتی چل رہی تھی۔

یاسمین نے کھڑکی میں سے جھانک کر یہ نظارہ دیکھا تو اسکا دل بیٹھ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسکے اور سلمہ کے مابین بے تکلفی اور دوستی کا رشتہ بھاپ بن کر اڑ گیا ہو۔ جیسے اسکے اور سلمہ کے درمیان اچانک دوریاں حائل ہوگئی ہوں۔ جیسے سلمہ آسمان پر رواں دواں بادلوں پر شاداں وفرحاں بیٹھی حقارت سے پستیوں کی جانب دیکھ رہی ہو اور وہ زمین کے گارے میں لت پت حیرت، حسرت اور بے بسی کی تصویر بنی ہو۔ سلمہ کے سامنے اسے اپنا وجود زمین میں رینگنے والے کیڑوں کی طرح کمتر اور حقیر نظر آ رہا تھا۔ وہ چچا چچی کی دوراندیشی کی قائل ہوگئی تھی جنہوں نے اپنی بیٹی ایسے پڑھے لکھے اور امیر کبیر آدمی کے ساتھ بیاہ دی تھی اور ان کے اس دانشمندانہ فیصلے کی وجہ سے وہ رانی بنی بیٹھی تھی۔ اسکے دل میں اپنے مرحوم والدین کے دقیانوسی فیصلے کی وجہ سے کسک ہو رہی تھی، جن کا خیال تھا کہ لڑکا پڑھا لکھا اور شریف ہو بس اور کچھ نہیں چاہیے۔ حالانکہ اسے شرافت کے علاوہ بھی زندگی میں بہت کچھ چاہیے تھا۔ کاش اسکے والدین اسکی ان خواہشات کو جان سکتے تو آج وہ بھی سلمہ کی طرح خوب عیش وآرام سے زندگی گزار رہی ہوتی۔ سلمہ نے دروازے پر دستک دی تو اسکی سوچوں کا رابطہ منقطع ہوگیا۔ اس نے دروازہ کھول کر سلمہ کو خوش آمدید کہا اور اسے ہمراہ لے کر ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ دونوں گزرے دنوں کی باتیں کرتی رہیں۔ کچھ دیر کے بعد سلمہ دوبارہ آنے کا کہہ کر رخصت ہوگئی۔

سلمہ کے جانے کے بعد یاسمین کے دل میں کمتری اور شرمساری کے احساسات چھائے رہے۔ اسے اپنے گھر کی ہر چیز میں نقص اور خرابیاں نظر آ رہی تھیں۔ سب سے بڑی خرابی تو پچیس سالہ پرانی پھٹیچر گاڑی میں تھی جو اکثر گھر کے پورچ میں کھڑی رہتی اور گھر میں داخل ہونے والے ہر شخص کی توجہ کا مرکز بن کر اسے بزبان حال اہل خانہ کی زبوں حالی کی داستان سناتی تھی۔ اسکے بعد آنے والے چھینکی ن کی نظر چھوٹے سے صاف ستھرے لان پر پڑتی جو چند موسمی پھولوں کے گملے، سرسبز گھاس اور دیوار پر بل کھاتی، اٹھلاتی ہوئی جنگلی گلاب کی بیل پر مشتمل تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہیں قرینے سے رکھا گیا پرانا فرنیچر، پرانے پردے اور قلعی کی طلبگار دیواریں سب بھید کھول دیتی تھیں۔ غرض گھر کا گوشہ گوشہ اصلاح طلب تھا لیکن اس کار خیر کیلئے پیسے کی ضرورت تھی اور پروفیسر صاحب کی جیب سے پیسے کا برآمد ہونا تو گویا

جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

نوید کالج سے واپس آیا تو حسبِ معمول یاسمین تھکی تھکی سی بیزار نظر آئی، اس نے نوید کو سلمہ کی آمد کی خبر سنائی اور پھر اسے سمجھانے بیٹھ گئی کہ وہ روزانہ شام کو بچوں کو ٹیوشن پڑھا دیا کرے تاکہ اضافی آمدنی کی صورت پیدا ہو جائے لیکن نوید نے وہی متوقع جواب دہرایا وہ شام کو اپنے بچوں کو پڑھانا چاہتا ہے اور ان کے ساتھ ان کے کھیل کود اور مصروفیت میں شامل ہو کر ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری نبھانا چاہتا ہے۔

یاسمین کا خیال تھا کہ محلے میں سب سے بوسیدہ گھر اسی کا ہے۔ دراصل پچھلے کچھ عرصہ کے دوران ایک دوبئ پلٹ فیملی نے محلے کا ایک گھر خرید کر اسمیں رّدوبدل کر کے اسے خوبصورت اور نئی شکل دے دی تھی۔ اب وہاں کروفر کے ساتھ آباد ہو گئے تھے۔ پھر ایک اور گھر کے صاحب خانہ نے اپنے کاروبار میں جائز ذرائع استعمال کر کے اندھا دھند دولت سمیٹنی شروع کر دی۔ وہ منشیات کے دھندے میں ملوث ہو گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دولت کی نمائش کیلئے اپنے گھر کو مسمار کروا کے اسکی جگہ عالیشان گھر تعمیر کروایا اپنے گھر سے باہر نکلتے ہی یاسمین کی نظر بلا ارادہ ان بلند و بالا گھروں کی جانب اٹھ جاتی اور اسکے ساتھ ہی دل میں خوابیدہ حسرتیں اور خواہشیں بھی انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتیں اور اسے افسردہ کر دیتیں۔ ہائے! اس نے بھی تو ایسے ہی گھروں کے سپنے دیکھے تھے لیکن قسمت کی ستم ظریفی کہ تعبیر دوسروں کے حصے میں آ گئی تھی۔ اسکے مقدر میں تو ادھورے خوابوں کا درد تھا اور بس۔

مارے تجسس کے بارہا اس کا دل چاہا تھا کہ وہ ان خوبصورت گھروں کے اندر جا کر ان کے اندرونی دنیا کو دیکھے کہ آیا وہ بھی اسکے خوابوں کی طرح حسین تھی یا نہیں۔ جلد ہی اسے اسکا موقع مل گیا۔ اسے پتہ چلا کہ دوبئ پلٹ فیملی کی خاتون خانہ بیمار ہیں چنانچہ وہ انکی عیادت کیلئے وہاں چلی گئی۔ اس گھر کے اندر داخل ہوتے ہی لمحہ بھر کیلئے اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ گھر کیا تھا گویا جنت کا نقشہ تھا۔ وسیع و عریض مخملیں سرسبز لان، خوشبودار، خوش رنگ خوش نما پھول، نفاست سے تراشے گئے چھتری نما پودے سر اٹھائے قطار اندر قطار کھڑے تھے۔ لان کے ایک کونے میں بڑا سا لکڑی کا بنا ہوا دیدہ زیب پنجرہ پڑا تھا۔ جس میں چھوٹے چھوٹے رنگ برنگے پرندے سریلے نغمے پیش رہے تھے۔ یاسمین سحر زدہ انداز میں ہولے ہولے قدم اٹھاتی ہوئی خاتون خانہ کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ یہ کمرہ بے حد خوبصورت فرنیچر، قیمتی پردوں اور دبیز شوخ رنگ کے قالین سے آراستہ تھا۔ کمرے کے درمیان میں ایک پلنگ پر بھاری بھرکم وجود کی مالک ایک خاتون لیٹی ہوئی تھیں۔ یاسمین نے انکے قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھ گئی اور ان کا حال احوال پوچھنے لگی۔ وہ خاتون یاسمین سے بہت جلدی بے تکلف ہو گئیں اور اس سے کہنے لگیں۔

''مجھے کوئی خاص بیماری نہیں۔ بس غم نے مجھے مار ڈالا ہے۔ ڈاکٹر غم غلط کرنے کی دوائیاں دے رہے ہیں لیکن کچھ غم ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی رگ رگ میں سرایت کر کے دیمک کی طرح اسے اندر اندر کھوکھلا کرتے چلے جاتے ہیں بھلا ان کا علاج کیونکر ممکن ہے؟''

یاسمین نے حیرت سے پوچھا

''لیکن آپکے پاس تو اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے۔ ایسے حالات میں ایسا کونسا روگ ہے جسکا تدارک ممکن نہیں؟''

خاتون نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا

''میری شادی کے آٹھ سال بعد میرے ہاں بیٹے نے جنم لیا۔ وہ بے حد لاڈلا اور گھر بھر کی آنکھوں کا تارا تھا۔ بے جا لاڈ پیار اور بری صحبت کی وجہ سے اسکا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا۔ میٹرک کے امتحان میں فیل ہونے کے بعد اس نے پڑھائی چھوڑ دی۔ ہم نے سوچا کہ اگر وہ نہیں پڑھنا چاہتا تو نہ سہی، باپ کا کاروبار سنبھال لے گا۔ لیکن اب وہ اپنے

آوارہ اور عیاش دوستوں کے ساتھ دن رات باپ کی کمائی کو پانی کی طرح بہا رہا ہے۔ پیسہ دینے سے انکار کریں تو گالم گلوچ پر اتر آتا ہے۔ دوسرا بیٹا اس سے سات سال چھوٹا ہے۔ یہ بچہ بڑے بھائی کے برعکس پڑھائی میں بھی اچھا تھا اور عادات واطوار میں بھی بہتر تھا۔ دو سال پہلے اسے ٹائیفائیڈ ہو گیا اور اسکے ساتھ ہی اسکا دھڑ مفلوج ہو گیا۔ ہماری سب امیدیں اس بچے کے ساتھ وابستہ ہو گئی تھیں۔ اب یہ امیدیں زمیں بوس ہو گئی ہیں اور اسکے ساتھ ہی میں بھی بستر سے لگ گئی ہوں۔ دل کو بہت سمجھاتی ہوں لیکن بے شمار اندیشے ہر وقت مجھے گھیرے رکھتے ہیں۔''

خاتون کی دردناک کہانی سنکر یاسمین تو گویا گونگی ہو کر رہ گئی۔ وہ اسے تسلی دینا چاہتی تھی لیکن اس کی زبان اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ وہ کچھ دیر چپ چاپ گم صم بیٹھی رہی اور پھر دوبارہ آنے کا کہہ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس عالیشان گھر سے باہر نکلتے ہوئے اچانک اسکی نظر لان میں رکھی ہوئی ایک وہیل چیئر پر پڑی جس پر ایک نوعمر لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ اسکے خوبرو چہرے پر حسرت اور مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ اسکی آنکھوں میں ویرانی نے ڈیرے ڈال رکھے تھے اور وہ بجھی بجھی سے نظروں سے اپنے آس پاس دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر یاسمین کا دل پگھل گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی اور کا نہیں بلکہ اسکا اپنا بیٹا تھا۔ یہ خیال آتے ہی اسکے دل میں مامتا کے سوتے پھوٹ نکلے اور اسکا دل چاہا کہ وہ اسکے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیر کر اسے پیار کرے اور اسکی جھولی کو دعاؤں سے بھر دے۔ چنانچہ اس نے اسکی طرف بڑھانا چاہا لیکن اسکے قدم گویا من من کے ہو گئے۔ اسکی آواز رندھ گئی اور آنکھیں بھیگ گئیں۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ آگے بڑھنے کی بجائے وہ پیچھے کی طرف مڑ کر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔

چند دنوں کے بعد یاسمین سبزی خریدنے کیلئے گھر سے نکلی تو اس نے دیکھا کہ سڑک پر غیر معمولی ہلچل تھی۔ وہاں پولیس کی بھاری نفری تعینات تھی اور محلے کے دوسرے عالیشان گھر کے سامنے لوگوں کا ہجوم تھا۔ اسے پتہ چلا کہ اس کے گھر کے دو جڑواں بھائی کھیلنے کیلئے اپنے کسی دوست کے گھر جانے کے ارادے سے نکلے تھے کہ اغوا کاروں نے انہیں اغوا کر لیا اور کار میں ڈال کر نامعلوم مقام کی طرف چل دیئے۔ اب ان مجرموں نے فون کے ذریعہ رابطہ کر کے دو کروڑ روپیہ بطور تاوان طلب کیا ہے۔ یاسمین غیر ارادی طور پر اس گھر کی طرف بڑھ گئی اور ہجوم کو چیرتے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔

اس نے دیکھا کہ ان بچوں کی ماں نیم پاگل سی ہو رہی تھی۔ وہ اپنے ہوش وحواس میں نہیں تھی۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے خاوند سے کہہ رہی تھی

''شیخ جی! تمہاری دولت میرے کس کام کی۔ وہ دو کروڑ مانگ رہے ہیں۔ صرف دو کروڑ۔ ابھی جاؤ۔ اسی وقت جاؤ۔ پیسے دے کر میرے بچے واپس لاؤ۔ مجھے اپنے بچے چاہئیں، ابھی اسی وقت، فوراً، نہیں لا سکتے تو مجھے زہر دے دو ہائے شیخ جی! مجھے زہر دے دو۔''

چیختے چیختے اچانک اسکی نظر یاسمین پر پڑی۔ وہ ایک دم خاموش ہو گئی اور یاسمین کو ایک ٹک یوں گھورنے لگی جیسے اسے پہنچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ اٹھ کر یاسمین کے قریب آ کر بیٹھ گئی اور بہت دھیمے لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی ''کیا تمہارے بچے ہیں؟''

یاسمین نے اقرار میں سر ہلایا

اس نے پوچھا ''کیا تمہارے پاس ہیں؟ تمہاری نظروں کے سامنے۔''

یاسمین نے اقرار میں سر ہلایا

اس نے پھر پوچھا ''کیا تم ان کو چھو سکتی ہو؟ کیا تم ان کو پیار کر سکتی ہو؟ کیا تم ان سے باتیں کر سکتی ہو؟ جب تمہارا دل چاہتا ہے تو کیا تم انکی پیشانیوں کو چوم سکتی ہو؟ کیا تم انہیں سینے سے لگا سکتی ہو؟''

یاسمین نے پھر اقرار میں سر ہلایا

اس نے رشک سے یاسمین کی طرف دیکھا اور بولی

''تم کیسی خوش قسمت ماں ہو۔ مجھ کوکھ جلی کو دیکھو۔ مجھ نصیبوں جلی کو دیکھو مجھ بدنصیب کو دیکھو۔''

پھر وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر یاسمین سے بھیک مانگنے کے انداز میں فریاد کرنے لگی ''دیکھو بہن! میرا بھی دل چاہتا ہے اپنے بچوں کو چھونے کو، انہیں پیار کرنے کو، انکی پیشانیوں پر بوسہ دینے کو، ان کو سینے سے لگانے کو لیکن شیخ صاحب مجھے میرے بچے لاکر نہیں دیتے۔ تم لا دو۔ دو کروڑ کی تو بات ہے۔ صرف دو کروڑ کی مجھے میرے بچے لا دو۔''

اسکی آہ فغاں سن کر یاسمین کا دل پگھلی ہوئی موم کی طرح اسکے سینے میں قطرہ قطرہ غم ٹپکانے لگا۔ غم کا ہر قطرہ بھاری پتھر بن کر اسکے سینے کو بوجھل کرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اسکی زبان بھی گویا پتھر کی ہو کر اسکے تالو سے جڑ کر رہ گئی تھی۔ اسے خاموش دیکھ کر بیگم شیخ نے اپنے دونوں بازوؤں سے سونے کی چوڑیاں اور کڑے اتارے پھر کانوں سے بندے، ہاتھوں کی انگلیوں سے ہیرے کی انگوٹھیاں اور گلے سے لاکٹ اتار کر اسے اپنے دوپٹے کے پلو میں باندھ کر یاسمین کو دیتے ہوئے کہا۔ ''میرا سب زیور لے لو بس مجھے میرے بچے لا دو، شیخ صاحب نہیں لا کر دیتے تم لا دو۔''

یاسمین کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی۔ اس سے بیگم شیخ کی اور دیوانگی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ بمشکل اٹھی اور بوجھل قدموں سے گیٹ کی طرف چل دی وہ گھر جو یاسمین کے خوابوں کا گھر تھا۔ وہ گھر جس نے یاسمین کے سینے میں حسرتوں کے بیج بوئے تھے۔ وہ گھر جسکی بلندی نے یاسمین کے دل میں کمتری کے احساس کو جنم دیا تھا۔ اور وہ گھر جس نے اسے بے چین اور مضطرب کر رکھا تھا۔ آج اسی عالیشان گھر سے نکلتے ہوئے یاسمین کی ذہنی کایا پلٹ گئی تھی اور اسکی افسردگی دھیرے دھیرے سکون کا لبادہ اوڑھ رہی تھی۔

آج اسے اپنا بوسیدہ اور ادھورا گھر قدرے مکمل نظر آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شکر ہے کہ اسکے گھر میں کوئی وہیل چیئر نہیں تھی اور شکر ہے کہ اسکے تینوں بیٹے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے چاق و چوبند اور صحت مند تھے اور شکر ہے کہ اسکا ذہن مستقبل کے خوفناک اندیشوں سے آزاد تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسکے تینوں بچے اسکی دسترس میں تھے۔ وہ جب چاہے انکو جی بھر کے دیکھ سکتی تھی۔ جب چاہے انکو پیار کر سکتی تھی اور جب چاہے انکی معصوم باتوں سے لطف اندوز ہو سکتی تھی۔ جونہی وہ اپنے گھر کا گیٹ کھول کر اندر داخل ہوئی اسکی نظر اپنے گھر کے چھوٹے سے خوبصورت لان پر پڑی۔ جنگلی گلاب کی بیل نے دیوار کو ڈھانپ رکھا تھا اور بے شمار سرسبز پتوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے سفید گلاب سر اٹھا کر مسکرا رہے تھے۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ آج پہلی دفعہ اس حسین نظارے سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔ جیسے وہ آج اسکے گھر کے مکین ہوں۔ بالکل اسکے بچوں کی طرح۔ خوبصورت اور معصوم۔ نہ جانے کیا ہوا کہ ان پھولوں سے نظریں چار ہوتے ہی ان پھولوں نے بھی اسکے بچوں کی طرح اسکے اندر کا سارا غم چوس لیا اور وہ ایک دم سے ہلکی پھلکی ہو گئی۔ وہاں پنجرے میں طوطا آنکھیں نیم وا کئے پڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس نے سر اٹھا کر اپنا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ ''میاں مٹھو چوری کھانی اے''

طوطے کی آواز میں بھی آج مٹھاس، چاہت اور اپنائیت تھی۔ قریب ہی اسکے تینوں بچے بیٹھ کر لڈو کھیل رہے تھے۔ اس نے انہیں آواز دے کر بلایا۔ بچے قریب آئے تو اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر انہیں اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔ پھر انہیں سینے سے لگایا اور دیوانہ وار باری باری انکی پیشانیوں کو چومنے لگی۔ بچوں نے حیران ہو کر پوچھا ''اماں کی بات ہے؟ کیا ہوا؟''

یاسمین نے جواب دیا ''کچھ نہیں۔ بس یونہی میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں تم کو چھولوں۔ کہ میں تم سے پیار کروں۔ کہ میں تمہاری پیشانیوں پر بوسہ دوں اور میں تمہیں سینے سے لگاؤں'' یہ کہتے ہوئے یاسمین کی آنکھیں جل تھل ہو گئیں۔ اسکی آواز بھرا گئی اور اپنے بچوں کو اپنے آس پاس پا کر اسکا دل شکر کے جذبے سے جھک گیا۔

☆☆☆

فوزیہ وحید

کانچ کے ٹکڑے

''گھر ہے یا کباڑی کی دکان ،جدھر دیکھو کتابیں بکھری پڑی ہیں۔ کہیں رکھنے کو جگہ نہیں ہے۔ اور میاں صاحب ہیں کہ مزید لائے چلے جارہے ہیں۔'' بیگم کی بَڑ بڑاہٹ مسلسل میرے کانوں میں آرہی تھی مگر میں اسے نظرانداز کرکے توجہ اپنے کام کی طرف برقرار رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ یہ وہ منظر ہے جو ہمارے گھر میں روز ہی دہرایا جاتا ہے۔ کیوں کہ نہ تو میرا نئی کتابیں خریدنے کا شوق کم ہوتا ہے اور نہ ہی بیگم کا صفائی کرنے کا۔

''کتب بینی'' کے شوق کا سلسلہ میرے بچپن سے جاملتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں میرا جیب خرچ کتابیں رسالے خریدنے پر ہی خرچ ہوتا تھا۔ میرا یہ شوق بچوں کے رسالے پڑھنے سے شروع ہوا اور سوانح عمریوں، سفرناموں سے ہوتا ہوا اب ایک نئے دور میں داخل ہو چکا ہے۔ اب دو بچوں کا باپ بننے اور عملی زندگی میں کافی آگے آجانے کے بعد میری دل چسپی ایسی کتابوں میں رہتی ہے جو ایک کامیاب زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھاتی ہیں۔ میری کتابوں کی الماریاں، ڈیل کارنیگی اور اسٹیفن کووی کی شخصیت سازی کی کتابوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ڈیل کارنیگی کی کتاب ''لوگوں سے معاملہ کرنا سیکھئے'' تو میری سائیڈ ٹیبل کی کتاب ہے۔ میں روزانہ اس کے دو چار صفحے پڑھ کے سوتا ہوں۔

ابھی پچھلے ہفتے کی ہی بات ہے کہ ہمارے آفس میں ایک نئے صاحب مین برانچ سے ینگتیں ہوکر آئے۔ ڈھیلا ڈھالا لباس، سست چال اور غیر متاثر کن گفتگو۔ انہیں دیکھ کر میرا دل چاہا کہ انہیں شخصیت کو متاثر بنانے کے حوالے سے کوئی کتاب دے دوں۔ مگر پھر یہ سوچ کر رہ گیا کہ کہیں لینے کے دینے ہی نہ پڑ جائیں۔ کیوں کہ میرے ساتھ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے۔

ابھی چند چھینو پہلے کی بات ہے کہ میں نے اپنے پرانے اور بے تکلف دوست ندیم کو کتاب ''کامیاب شوہر'' دی۔ ندیم اکثر ذکر کرتا تھا کہ اس کی بیگم کو اس سے ہر وقت شکایت رہتی ہے کہ وہ اچھا شوہر نہیں ہے۔ دو ہفتے بعد ندیم نے مجھے کتاب واپس کی تو میں نے پوچھا کہ کیا کچھ فائدہ ہوا۔ ندیم نے ہنستے ہوئے کہا کہ فائدہ تو ہوجاتا مگر پھونک پہلے اس نے ماردی۔ میں نے حیران ہوکے پوچھا کیا مطلب؟ ندیم بولا میرے بھائی تم نے وہ لطیفہ نہیں سنا کہ ایک دیہاتی کی بھینس بیمار ہوگئی وہ اسے جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ ڈاکٹر نے دوائی دی اور کہا کہ ایک ہفتے تک بھینس کو روزانہ کھلاؤ۔ دیہاتی نے پوچھا کیسے کھلاؤں؟ ڈاکٹر نے ایک چھوٹی سی نلکی دی اور کہا کہ اس میں دوائی ڈالو بھینس کے منہ میں اس کا ایک سرا رکھو دوسرا اپنے منہ میں رکھ کر پھونک ماردو۔ اگلے دن یہ دیہاتی دوبارہ ڈاکٹر کے پاس موجود تھا۔

ڈاکٹر نے پوچھا کیا دوائی کا فائدہ نہیں ہوا؟ دیہاتی نے کہا فائدہ تو ہوجاتا مگر پھونک پہلے بھینس نے ماردی۔ لو یار میرے ساتھ بھی یہ ہی ہوا۔ بیگم نے میرے پڑھنے سے پہلے ہی وہ کتاب پڑھ لی اس لئے میری ہر کوشش کا الٹا نتیجہ نکلا۔

اس واقعے کے بعد ندیم میرے اس شوق کا سب سے بڑا ناقد بن گیا۔ ہر روز دفتر میں چائے کے وقفے میں ہم اکٹھے بیٹھتے تو وہ پوچھتا جی جناب آجکل کامیاب ہونے کے کیا کیا گُر پڑھے جارہے ہیں۔ اس کا انداز مذاق اڑانے والا ہوتا۔ میں کوشش کرتا کہ اسے قائل کرسکوں مگر بے سود ثابت ہوتا۔

بیگم کے پُرزور اصرار پر میں نے چھٹی کے دن اسٹور روم کی صفائی کرنے کا پروگرام بنایا۔ تمام ڈبے باہر نکال کر صحن میں رکھے۔ ایک ایک کتاب نکالی اور ورق گردانی شروع کردی۔ اسی صفائی کے دوران ایک کارٹن ایسا کھلا جو اس سے پہلے میں نے نہیں کھولا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ ایک دوست دوسرے شہر میں پوسٹنگ ہوتے ہوئے یہ کتابیں مجھے دے گیا تھا۔ میں نے موضوعات دیکھ کر پڑھے بغیر ہی اسٹور میں ڈال دی تھیں۔ اصل میں وہ کتابیں دینی موضوعات پر تھیں اور یہ موضوع میری دلچسپی کا کبھی نہیں رہا تھا۔ بچپن میں ناظرہ قرآن پڑھ لینے کے بعد میں نے اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی۔ اس معاملے میں میرا خیال یہ تھا کہ مجھے کسی مسجد میں مولوی تو نہیں بننا ہے جو یہ کتابیں پڑھوں۔

میں نے ایک کتاب نکالی اور آرام کرسی پر دراز ہوکر ورق گردانی شروع کردی۔ سردیوں کی ہلکی ہلکی دھوپ، آرام کرسی، نرم ہوا کے جھونکے اور دل چسپ کتاب میں ایسا مگن ہوا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ میں اس وقت چونکا جب بیگم میرے سر پر کھڑی مجھے غصیلی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ان نظروں کا مطلب یہ تھا کہ سارے صحن میں کتابیں پھیلا رکھی ہیں اور خود حسب معمول پڑھنے میں مصروف ہیں۔ وہ کتاب اتنی دل چسپ تھی کہ میں نے بیگم کی وارننگ دیتی نظروں کو نظرانداز کردیا۔ اور اس کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ یہ کتاب اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی کے بارے میں تھی۔ ان کی عادات، مزاج اور طرز زندگی کو بیان کیا گیا تھا۔ اس کا نام ''اسوۂ رسول ﷺ'' تھا۔ سیرت نبی ﷺ کے چند ایک اوراق پڑھ کے ہی میں ورطہ حیرت میں غوطہ زن تھا۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی آج سے چودہ سو سال پہلے آپ ﷺ کو انسانی نفسیات کی ایسی گہری سمجھ بوجھ تھی جو کہ آج کے بڑے بڑے ڈگری ہولڈر ماہرین نفسیات کو بھی نہیں ہے۔

میں نے ''اسوۂ رسول ﷺ، سیرت النبی ﷺ'' اور چند ایک اور کتابیں نکال کے اپنے سائیڈ ٹیبل پر رکھ لیں۔ اگلا پورا مہینہ انہیں کتابوں کو پڑھنے میں گزرا۔ ندیم جب بھی پوچھتا کیا پڑھ رہے ہو میں مسکرا کر ٹال دیتا۔ بیگم الگ حیران ہوتیں کہ میں آجکل بُک سٹور کے چکر نہیں لگا رہا ہوں۔

آپ ﷺ کے بارے میں پڑھ کر مجھے پتا چلا کہ کامیاب زندگی کیا ہوتی ہے۔ کوئی ہر پہلو سے کیسے کامیاب ہوسکتا ہے۔ بزنس کیا تو کمال تک پہنچایا، شادی کی تو بہترین ازدواجی زندگی گزاری۔ بچے ہوئے مثالی والد بنے، داعی بنے تو ان جیسا کوئی اور داعی نہ بن سکا۔ میدان جنگ میں اترے تو میدان ان کے ہاتھ رہا اور لیڈر بنے تو ایسے کہ ان کے ساتھی ان کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے تھے۔

یہ ایک بالکل نئی دنیا تھی جو تاریخ کے جھروکے سے

میرے سامنے کھلی اس کے مقابلے میں ہر مصلح اور ناصح کی اپنی زندگی اس کے اپنے اقوال کی عملی تعبیر سے خالی نظر آتی ہے۔ڈیما ستھینز جس کی تقریروں اور تحریروں کے اثر سے ہزاروں انسان میدان جنگ میں اترے خود صرف ایک بار میدان جنگ میں گیا اور پہلا موقع ملتے ہی فرار ہو گیا۔ یہ فرار ہر بڑے آدمی کی زندگی میں نظر آتا ہے۔مگر آپ ﷺ نے جو کہا وہ سب سے پہلے خود کر کے دکھایا۔ڈیل کارنیگی جو ساری عمر اپنی تحریروں میں مایوسی سے بچنے اور کامیاب زندگی گزارنے کے گُر سکھاتا رہا وہ خودکشی کر کے اس دنیا سے گیا اور بتا گیا کہ میں ایک مایوس اور ناکام شخص ہوں جبکہ اس کے مقابلے میں مجھے آپ ﷺ کا ایک قول بھی ایسا نہ مل سکا جس کے ساتھ آپکا عمل ہم آہنگ نہ ہو۔

اگلے ویک اینڈ پر میں نے بیگم کو سرپرائز دینے کا پروگرام بنایا۔بیگم جب شام کو اپنی سہیلی کے گھر سے لوٹیں تو بیڈروم میں داخل ہوتے ہی حیران رہ گئیں۔''ایں یہ کیا''اصل میں میں نے ساری شام بیڈروم میں بکھری کتابوں کو سمیٹنے گتے کے ڈبوں میں پیک کرنے اور سٹور میں رکھنے میں صرف کی تھی۔اب کمرہ ویسی ہی تصویر پیش کر رہا تھا جیسی ہماری بیگم کو پسند تھی۔ بک شیلف پر صرف سیرت نبوی ﷺ کی کتابیں ترتیب سے رکھی نظر آ رہی تھیں۔میں نے ان کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اب مجھے کامیابی کے صحیح راز بتانے والی کتابیں مل گئی ہیں اس لئے باقی سب کی ضرورت نہیں رہی۔ ان کے ہوتے ہوئے باقی سب تحریریں اب میرے لئے بے کار ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اصلی ہیروں کے سامنے نقلی کانچ کے ٹکڑے اپنی چمک دمک کھو دیتے ہیں۔

''اچھا یہ گفٹ کس کیلئے پیک کر کے رکھا ہے؟'' بیگم نے خوبصورتی سے ریپ کئے ہوئے پیکٹ کو الٹتے پلٹتے ہوئے پوچھا۔''یہ ندیم کیلئے ہے اس میں آپ ﷺ کی عائلی زندگی کے بارے میں کچھ کتابیں پیک کی ہیں'' میں نے جواب دیا۔

پیکٹ کے اوپر چھوٹا سا کارڈ چمک رہا تھا۔جس پر میں نے لکھا تھا۔

''لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنه''

تمہاری کامیابی کیلئے دعا گو۔

☆☆☆

حفصہ افضال

میں ہوں روزہ

میں روزہ ہوں، رحمٰن کا تحفہ، اُس نے مجھے تقوٰی کے خوبصورت ریپر میں لپیٹ کر، اوپر صبر کا رِبن لگائے " بیتن " کی خدمت میں پیش کیا۔ بیتن نے اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے مجھے "فرمانبرداری" سے قبول کرلیا۔ وہ رحمٰن کا زیرِ بار ہے۔ رحمٰن اسکا مالک ہے۔ وہ اُسے انکار نہیں کر سکا۔ گو میں اسکی طبع نازک پہ گراں گزرا تھا لیکن پھر بھی اُس نے مجھے رکھ لیا۔ میں صبر کے ربن اور تقوٰی کے ریپر کے اندر پڑا مہکتا رہا۔ لیکن بیتن میری "مہک" سے لاعلم تھا، کستوری سے زیادہ معطر اور تیز مہک..... قسم ہے اُس رحمٰن کی، جو بیتن کا مالک ہے، اگر وہ اس مہک کو محسوس کر لیتا تو مجھ جیسے بیش قیمت تحفے کو رحمٰن کا ایک اور احسان گردانتا لیکن آہ..... وہ لاعلم رہا۔ رحمٰن اس سے بہت محبت کرتا ہے لیکن پھر بھی وہ زیادہ تر رحمٰن کی نیازوں اور عنایتوں سے بے خبر ہی رہتا ہے، وہ رحمٰن کی محبت کی قدر نہیں کرتا۔

میں بھی رحمٰن کی ایک نیاز تھا لیکن مجھ تک رسائی سے پہلے اُسے صبر اور تقوٰی کی تہوں سے گزرنا تھا۔ بیتن مجھے دیکھنے کو بیتاب تھا۔ اُس نے تقوٰی کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھ دیا۔ کھانے پینے سے ہاتھ روک لیا۔ رحمٰن کا مقصد اسے غریب کی بھوک کا احساس دلانا تھا۔ بیتن اس آزمائش میں کامیاب ٹھہرا۔ کیا ہوا جو اسکے ماتھے پہ ذرا بل آ گئے۔ طبیعت میں بے زاری ہلکورے لینے لگی۔ لیکن وہ کھانے پینے سے دور رہا۔ رحمٰن اسکا مالک تھا نا! اسے دِکھانا تھا کہ وہ اسکا فرمانبردار ہے۔

اُس نے دن کا پہلا حصہ ہشاش بشاش گزار لیا۔ رفتہ رفتہ اسے بھوک ستانے لگی۔ اسکا حلق سوکھنے لگا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد گھڑی پہ نگاہ ڈالتا۔ یوں محسوس ہوتا گویا سوئیاں ساکت ہو گئی ہیں۔ وقت گزرنا محال ہو گیا۔ اس نے ٹی وی آن کر لیا۔ اسے کسی بھی طور وقت گزارنا تھا۔ ٹی وی پہ رنگین پردہ حرکت کرنے لگا۔ آنکھیں اور کان لطف اندوز ہونے لگے۔ بیتن کا دل بہلنے لگا۔ بیتن کو لگا گھڑی کی سوئیاں متحرک ہو گئی ہیں لیکن آہ..... میرے نازک جسم پہ ایک چرکا لگا۔ بیتن کے کانوں اور آنکھوں کا روزہ ٹوٹ چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

کچھ لمحے خاموشی سے سرک گئے۔ ایک بار پھر بیتن کو بھوک ستانے لگی۔ سامنے چلنے والا پردہ پسِ منظر میں چلا گیا اور بھوک و پیاس کالے نقطوں کی صورت اسکی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے۔ بیتن نے گھڑی پہ وقت دیکھا۔ ابھی چار گھنٹے باقی تھے۔ پندرہ گھنٹوں کا روزہ گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اسکے ماتھے پہ ایک مرتبہ پھر شکنوں کا جال بُننے لگا۔ طبیعت میں چڑچڑاہٹ پیدا ہونے لگی۔ بیتن خود پہ قابو پانے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اچانک بتی چلی گئی۔ گرم دِن، کمرے کا حبس زدہ ماحول، پسینہ ایسے جیسے بندہ ابھی غسل کر کے نکلا

ہو، بالآخر ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ یتین نے بے اختیار واپڈا والوں کو گالی دی۔ آہ.....میرے جسم پہ ایک اور چرکا لگا۔ یتین کی زبان کا روزہ ٹوٹ چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

یتین گھر کے صحن میں یہاں سے وہاں چکر لگا رہا ہے۔ روزہ کھلنے میں ایک گھنٹہ باقی ہے۔ وہ اب بھوک و پیاس سے نڈھال ہو چکا ہے۔ پچھلے چودہ گھنٹوں سے اسکے معدے میں خوراک کے نام پہ ایک دانہ تک نہیں گرا۔ حلق ایسے سوکھ رہا ہے گویا مہینوں سے کبھی پانی کی بوند تک نہ ٹپکی ہو۔ "یہ بے رنگ مایا انسان کی "زندگی" ہے" یتین کو اب اس میں کوئی شک نہیں رہا۔ "تین وقت کا کھانا رحمٰن کی کتنی بڑی نعمت ہے" ، یتین کو اسکا بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو چکا ہے۔

یتین ایک دفعہ پھر وقت دیکھنے کے لئے گھر کے اندرونی حصے کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اُسے سامنے چھوٹا بھائی سکول کا کام کرتے ہوئے دِکھائی دیتا ہے۔ یتین اُسکے ہاتھ میں موجود قلم دیکھ کر چونک جاتا ہے۔

"یہ پین تم نے کس سے پوچھ کر لیا"؟ یتین پوری قوت سے چلاتا ہے۔

"بھائی.....میں.....وہ.....آپکے.....بھائی..... "ڈر کے مارے بچے کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی ہے

یتین غصے سے بے قابو ہو کر آگے بڑھتا ہے اور چٹاخ کی آواز کیساتھ پانچ انگلیوں کے نشان بچے کے رُخسار پہ ثبت ہو جاتے ہیں۔

" کتنی دفعہ کہا ہے پوچھے بِنا کوئی چیز مت لیا کرو"

بھوک، پیاس، گرمی اور لوڈ شیڈنگ کی کثرت سے اکتایا ہوا یتین بیزاری و سختی سے کہتا ہے لیکن آہ.....دیوانے کو کیا خبر، اسکے ہاتھ کا روزہ بھی ٹوٹ چکا ہے۔

☆.....☆.....☆

خوشنما ریپر اور خوبصورت رِبن میں موجود میرے ٹوٹتے ہوئے جسم سے ایک درد بھری کراہ نکلی۔ نہ آنکھ رہی، نہ کان رہا، نہ زبان رہی اور نہ ہاتھ رہا۔ لیکن یتین اس سب سے بے خبر ہے۔

مسجدوں کے اسپیکرز بیدار ہوئے۔ مؤذن نے ابھی "اللہ" ہی بولا تھا کہ یتین بھاگتا ہوا دسترخوان تک پہنچ گیا اور جھٹ کھجور منہ میں ڈالنے کے بعد پانی کا بھرا ہوا گلاس لبوں سے لگا لیا۔

پندرہ گھنٹوں کا بھوکا پیاسا یتین، میری کرچی کرچی حالت سے بے خبر، اب "بے روح روزہ" افطار کر رہا تھا۔

☆☆☆

قرار

''ہیلو '' بھاری بھرکم آواز میں ابتسام بولا

لیکن نتاشہ کے دل میں ابھی تک وہی 6 ماہ کے بچے کی معصوم، ٹھنڈی میٹھی کلکاریاں بھرتی اندر تک اتر جانے والی آواز بولتی تھی۔ تو کیا یہ بھاری بہ مائل جوانی اور سالوں کے گزرے سفر کا پتہ دینے والی آواز اس کے بیٹے کی تھی؟

''ہیلو'' ابتسام نے قدرے اونچی آواز میں کہا تھا۔

آہ! اس کے اندر کچھ لرزتا ٹوٹتا سنائی دیا، جسم کا ذرہ ذرہ جس آواز کو سننے کیلئے کان بن چکا تھا، اب فالج زدہ کیفیت میں حرکت کرنے سے قاصر تھا۔

سولہ سال گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلا، سولہ سال، اس نے دل میں سوچا

قیامت جو ٹوٹی تھی تو پھر یہ سلسلہ چل پڑا۔ قیامتوں پر قیامتیں۔ فون ہاتھ میں پکڑے وہ گم صم تھی۔

''ہیلو! کون بات کر رہا ہے؟'' ابتسام کی آواز میں اب ذرا خفگی تھی۔

نتاشہ نے گھبرا کر فون بند کر دیا۔ بہت چاہنے کے باوجود وہ کچھ نہ بول سکی۔ اس آواز کو سننے کیلئے اس نے گھر والوں سے جھگڑا کر لیا تھا۔ اپنی 16 سال پہلے اٹھائی قسم توڑ ڈالی تھی۔ جس گھر کو چھوڑ آئی تھی وہاں کال کرنا آسان نہ تھا مگر اس نے کی۔

''اب میں سولہ سال پہلے والی نتاشہ نہیں بے بس، کم عمر، دھوکہ میں آئی ہوئی، اجنبی ماحول کی ستائی ہوئی غریب اور مجبور گھرانے کی پہلی نسوانی اولاد''۔ اس نے ماں سے کہا تھا جو اسے اس گھر فون کرنے پر منع کر رہی تھیں۔

اب میں اپنے پاؤں پر کھڑی خود مختار، برسر روزگار اور گھر کی سربراہ کی حیثیت سے جیتی ہوں۔ اس نے ماں پر واضح کیا تھا۔

''کیا معلوم وہ کیا ردعمل ظاہر کر دے؟'' ماں نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

''آج اس کی سولہویں سالگرہ ہے۔ میرے پاس اسے سپورٹ کرنے کیلئے بہت کچھ ہے۔ اسے بہت سے تحائف دینا چاہتی ہوں مجھے ردعمل کی فکر نہیں'' نتاشہ نے جواب دیا تھا

''اس گھر سے تمہارا تعلق، جہاں سے تمہارے دامن نے دکھ سمیٹے؟'' ماں نے کہا تھا

''اس گھر میں میرا بیٹا ہے۔ ماں!'' اس نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

''وہی بیٹا جسے آپ خود چھوڑ آئی تھیں؟'' چھوٹی بہن عائشہ نے کہا

''وجہ تم جانتی ہو۔ ایک لٹی ہوئی غریب لڑکی اپنے بچے کو کیا دے سکتی تھی؟'' نتاشہ نے جواب دیا۔ اس کے پاس گھر والوں کو مطمئن کرنے کیلئے ہر سوال کا جواب موجود

تھا۔لیکن یہ کیا کہ اس نے فون کر کے پھر بات نہ کی۔شاید اسے کچھ خدشات خود تنگ کر رہے تھے۔

کیا وہ واپس پلٹ آئے گا؟

کیا وہ مجھے ماں کی حیثیت سے قبول کر لے گا؟

وہ سمجھ سکے گا کہ میں مجبور تھی؟

اس کے دل و دماغ میں میرے خلاف نفرت ڈال دی گئی ہوگی

یہ سوچ آج کی نہیں تھی۔پچھلے سولہ سال سے وہ مستقل ذہنی کرب کا شکار تھی۔ وہ ایک محبت کے مرکز سے جڑی ان سوالوں کے جواب تلاش کرتی تھی اور آج ان سوالوں کے جواب کا دن تھا۔

دراصل نتاشہ کی زندگی کا یہ سانحہ اس کے والد اشتیاق احمد کا اس شہر اور اس محلے میں ہجرت کر کے آنے کی وجہ سے رونما ہوا۔آبائی علاقہ چھوڑ کر کسی نئی جگہ جا کر قسمت آزمائی کرنے کے چکر میں آبائی مکان اور زمین فروخت کر کے کاروبار کرنے کا سوچا۔ چونکہ نیا ماحول اور علاقہ تھا عدم واقفیت کی بنا پر اور خود طبیعت کی سادگی کی وجہ سے کچھ دھوکہ بازوں کے مکروفریب میں آ گئے۔کاربار میں نقصان اٹھایا تو ایک چھوٹی سی دکان کر لی۔لیکن یہ فریب نتاشہ کی شادی کے سلسلہ میں آڑے آ گیا اور دھوکہ کھا گئے۔

نتاشہ نے ابھی میٹرک ہی کیا تھا کہ محلے کی ایک نئی واقف کار خاتون آ گئی۔

''میں کہتی ہوں زرینہ! لوگ دیکھے بھالے ہیں، اعتماد ہے مجھے ان پر، لڑکے کا کاروبار ہے اپنا پھر اچھے رشتے روز روز نہیں ملتے'' والا گھٹیا فقرہ دہرا کر نتاشاہ کی ماں کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

''دراصل ہم یہاں نئے ہیں اتنی واقفیت نہیں ہے۔ کاروبار میں دھوکہ ہو چکا اب کسی پر جلدی اعتماد نہیں کر سکتے کچھ عرصہ جانچ پرکھ تو لیں'' زرینہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''لے کیسی باتیں کر رہی ہو۔؟ میری موجودگی میں ڈرنے کی ضرورت نہیں اللہ کا نام لو اور ہاں کر دو یہ اجنبیت والی بات اب نہ کرنا۔اپنا نہیں سمجھا کیا؟'' سعیدہ نے شکوے کے انداز میں یوں جتایا جیسے وہ اس کی مخلص ہو۔

''نہیں یہ بات نہیں، آپ کو پتہ ہی ہے کہ بیٹیوں کے رشتے میں سو بار سوچنا پڑتا ہے پھر بھی تسلی نہیں ہوتی'' زرینہ نے وضاحت کی تھی۔

''بس تم تسلی رکھو۔نتاشہ کے ابا سے بات کر لو، پھر میں تمہیں گھر بار دکھلا دوں گی دیکھو جواب ہاں میں ہونا چاہیے'' سعیدہ نے بڑے مان کیساتھ کہا اور چائے کی پیالی اٹھالی۔

اجنبی ماحول میں زرینہ اور اشتیاق احمد نے سعیدہ پر اعتماد کرتے ہوئے ہاں کہہ دی۔

نتاشہ کے بعد دو بیٹیاں عائشہ اور شمائلہ بھی تھیں اور چھوٹے دو بیٹے ظہیر اور اظہر بھی تھے، یہی سوچ کر کہ بیٹیوں کی ذمہ داری جتنی جلدی ادا ہو جائے بہتر ہے، شادی کی تاریخ طے کر دی اور یوں نتاشہ محض سولہ برس کی عمر میں احتشام الحق کی دلہن بن کر اس کی وسیع و عریض کوٹھی میں آ گئی۔

احتشام کے گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔کاروبار اس کا کامیاب اور پھیلا ہوا تھا۔لیکن دو چیزیں اس کو کھٹکتی تھیں ایک تو احتشام کی عمر وہ دکھائی نہ دیتی تھی جو بتائی گئی تھی دوسرا اسکے گھر میں تین عدد بچے تھے جو اس کے بھتیجے بھتیجی تھے۔نہ

جانے یہ اپنے گھر میں کیوں نہ رہتے تھے۔

بڑا بھائی دراصل گاؤں کی حویلی میں رہتا ہے۔ بچوں کو شہر کا عادی بنانے کیلئے یہاں رکھا ہوا ہے تم ان کا خیال ایسے ہی رکھو جیسے یہ تمہارے بچے ہوں۔ احتشام نے شروع میں ہی وضاحت کر دی تھی۔

سال گزر جانے کے باوجود احتشام اسے گاؤں کی حویلی نہ لے گیا اور نہ ہی گاؤں سے بڑا بھائی شہر ان لوگوں کو ملنے آیا۔ البتہ ایک عدد گم صم سا دیور گھر میں موجود تھا جس کا کام محض بھائی کے پیسے پر عیاشی کرنا تھا۔ ایک نئے چھنکی ن کی آمد آمد بھی تھی۔ کبھی کبھی عجیب سا لگتا تھا اسے گھر کا ماحول پراسرار خاموشی، ملازمین بھی احتیاط سے بات کرتے جیسے انہیں فالتو بات سے منع کر دیا گیا ہو۔ ایک دن اس نے ٹیل فون پر آنے والی کال ریسیو کر لی۔

''احتشام الحق کی نئی بیگم کے ساتھ بات کروادیں جی'' ایک نسوانی آواز ابھری۔

''نئی بیگم؟'' نتاشہ نے نئی پر زور دے کر کہا

''جی ہاں نئی بیگم!'' ادھر سے بھی نئی پر زور دے کر کہا گیا

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' نتاشہ کو کوئی سمجھ نہ آئی

''بھئی ہم تو یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ شادیوں کے شوقین احتشام کی تیسری بیگم کیسی ہیں۔ چوتھی اس کی جگہ لے گی یا اس پر ہی بس ہوگا'' ادھر سے جواب آیا

''آپ کون ہیں؟ اور ہوش میں تو ہیں آپ'' نتاشہ نے غصے سے کہا

''میں تو کب کی ہوش میں آ چلی، اور اب تمہاری باری ہے دیکھتے ہیں کب تک حویلی کی آسائشوں میں مدہوش رہو گی۔ چچ، چچ، لگتا ہے کسی غریب گھرانے سے ہو اسی لیے والدین نے اس بوڑھے کے پلے باندھ دیا'' ادھر سے آواز آئی

''میں پوچھتی ہوں آپ ہیں کون؟'' نتاشہ کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا

''اس کی پہلی بیگم صالحہ، پوچھ لینا اپنے شوہر سے'' اور فون بند ہو گیا، بس پھر کیا تھا، نتاشہ کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے احتشام عمر میں اس سے کافی بڑا ہے، اس بات کا تو اسے اندازہ تھا لیکن اس کی دو عدد شادیوں پر وہ سٹپٹا کر رہ گئی تھی

''صالحہ کون ہے؟'' احتشام کے گھر آتے ہی نتاشہ نے سوال پوچھا تھا۔ جواباً کچے مجرم کی طرح نہ تو احتشام کا رنگ زرد پڑا اور نہ ہی وہ گھبرایا۔ عادی مجرم تو خرانٹ ہوتے ہیں۔ اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ جواب دیا۔ ''جو بھی ہے تم کو اس سے مطلب؟''

''آپ کی پہلی بیوی ہے وہ اور مجھے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے'' نتاشہ غرائی۔

ہے نہیں تھی، مجھے تم سے پیار تھا اور

تھا کا مطلب تو تم جانتے ہو۔ احتشام نے شعر سنا کر غیر سنجیدگی کی انتہا کر دی۔

نتاشہ کو اس کا انداز نشتر کی طرح لگا۔

''اور دوسری بیگم'' اس نے بے بسی سے کہا تھا۔

''یہی شعر نثر مکرر کے طور پر عرض کر دوں؟'' وہ بھی سنجیدہ ہونے پر آمادہ نہ تھا۔

''تم ایک دھوکے باز انسان ثابت ہوئے ہو'' نتاشہ آپ سے تم پر آ گئی۔

''اسلام مجھے چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے دھوکے والی کیا بات ہے۔ میں تو ایک باعمل ...ن ہوں'' اس نے ڈھٹائی سے کہا تھا۔

''ابھی تمہارے عمل میں کمی ہے۔ ایک تو یہ کہ تم نے طلاقیں دے دیں اور دوسرا یہ کہ ابھی ایک عدد شادی کی گنجائش بھی ہے'' نتاشہ نے طنزیہ کہا۔

''اوہوں! تین شادیوں کی گنجائش ہے۔ کیونکہ پہلی دو تو گئیں، اور اگر تم بھی جاؤ تو چار کی چار نئی'' اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے انتہائی کمینگی سے ٹانگیں میز پر ٹکا دیں۔

ایک 16 برس کی لڑکی کے پاس اس شرمناک گفتگو کا جواب کیا ہوتا۔ وہ تو پہلے ہی دیارِ غیر کی ستائی ہوئی تھی اوپر سے یہ ایسی افتاد تھی کہ جس کا سامنا کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ سو والدین کے گھر جا کر بیٹھ رہی۔

احتشام نے دو ایک بار منانے کی کوشش بھی کی۔ اس دوران بچے کی پیدائش بھی ہوئی۔ نتاشہ واپس جانے کو تیار نہ تھی اور احتشام کے پاس بچے کے بہانے اسے واپس لے جانے کا ذریعہ موجود تھا۔ زرینہ اور اشتیاق احمد نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ دو عدد بیویوں سے تین بچے بھی ہیں جو اسی گھر میں موجود ہیں۔ اس کا بڑا بھائی ہے ہی نہیں۔ یہ ڈھونگ اس نے شادیوں پر پردہ ڈالنے کیلئے رچایا تھا۔ محلے والے اور رشتہ دار اس کے منفی کردار کی وجہ سے اس کے ساتھ رشتہ جوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اسی لیے سعیدہ جیسی خواتین اجنبی لوگوں کو ورغلا کر ایسے بدقماش لوگوں کے چنگل میں پھنسا لیتی تھیں۔

نتاشہ احتشام کا نام بھی لینے کو تیار نہ تھی۔ اس کے والدین نے بھی طلاق لینے کے فیصلے کو ترجیح دی۔ احتشام کی طرف سے ابتسام کے نام پر نتاشہ اور اس کے گھر والوں کو تنگ کرنے کا جواز موجود تھا سو نتاشہ نے دل پر پتھر رکھ کر 6 ماہ کے بچے کو باپ کے گھر واپس کر دیا۔

کچھ عرصہ نتاشہ کے والد اس غم کے زیر اثر بیمار رہنے لگے پھر جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ یہ دوسری قیامت تھی جو گھر والوں پر گزری۔ شاعری نے شاید واقعی صحیح لکھا ہے۔ کہ مشکلیں حد سے زیادہ ہوں تو آسان ہوجاتی ہیں۔ نتاشہ گھر کی بڑی اولاد تھی۔ دو کان بیچ کر پارلر کا کورس کیا اور گھر میں بیوٹی پارلر کھول لیا۔ محلے کی لڑکیاں اور بچیاں بال کٹوانے، مہندی لگوانے، آ جاتیں پھر کبھی کبھار دلہن بھی تیار کرنے کو مل جاتی۔ یہ شہر چاروں طرف سے دیہات اور قصبہ جات میں گھرا ہوا تھا جہاں شادیوں پر دلہنیں تیار کرنے کا رجحان زیادہ نہ تھا۔ بہر حال گھر کا دانہ پانی چل رہا تھا۔۔ بہنوں اور بھائیوں کو سختی سے پڑھائی جاری رکھنے اور مکمل کرنے کا آرڈر اس نے دے رکھا تھا۔

جب ظہیر نے میٹرک کر لیا تو مزید پڑھنے کی بجائے بیرون ملک جانے پر اصرار کرنے لگا۔

''پہلے تعلیم مکمل کر لو جو مستقبل میں کرنا ہو کر لینا'' نتاشہ نے اسے سمجھایا۔

''مزید تعلیم محض پیسے کا ضیاع ہے اور وقت کا بھی۔ آپ جانتی ہیں یہ دونوں ہمارے پاس محدود مقدار میں ہیں۔ اس لیے مجھے موقع دیں گھر کو میری ضرورت ہے۔ آپ کب تک یوں محنت کریں گی'' ظہیر نے دوٹوک انداز میں فیصلہ سنا دیا تھا۔

یوں ظہیر ضد کر کے کسی ایجنٹ کے ذریعہ بیرون ملک چلا گیا۔ کچھ رقم لی قرض کے طور پر اور کچھ نتاشہ نے پس انداز

کر رکھا تھا وہ ظہیر کو تھمایا اور رخصت کر دیا۔

ظہیر کے جانے کے بعد گھر والے حالات سدھرنے اور مکان پختہ کروانے کے خواب سجائے اس کی طرف سے پہلی تنخواہ کے منتظر تھے۔

لیکن ایک تیسری قیامت اس گھر والوں کی منتظر تھی۔ ظہیر کچھ عرصہ تو بے روزگار رہا ساتھیوں کے ساتھ چھپ چھپا کر وقت گزارتا رہا تھا پھر بیمار پڑ گیا۔ دیار غیر میں بے روزگار نوجوان جس کے ساتھی بھی اس کی حالت میں تھے، انہیں ظہیر کی تیمارداری بھی کرنا پڑی۔ خود چھپنا بھی تھا ورنہ ڈی پورٹ ہونے کا خدشہ تھا۔ جو ساتھی کچھ کما لیتے تھے وہ اس کی مدد کر رہے تھے مگر ظہیر کی صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔

اپنوں کے درمیان اگر انسان بیمار ہو جائے تو روز کی تیمارداری، توجہ اور محبت اور دعائیں بہن بھائیوں اور ماں کی قربت اسے نوے فیصد درست کر دے۔ بخار میں تو ماں کے ہاتھوں کا لمس ہی کافی ہوتا ہے۔ غیروں کے درمیان ظہیر جب بیمار پڑا تو پھر موت نے ہی منہ دکھایا۔ بیرون ملک مقیم پاکستانیوں اور ساتھیوں نے تگ و دو کے بعد اس کی میت واپس بھجوانے کا انتظام کیا۔

ماں تو گم صم سکتہ زدہ چہرے کے ساتھ جوان رعنا کے لاشے کو تک رہی تھی آنسو تو اس کی بیماری کے دنوں میں بہہ بہہ کر خشک ہو چکے تھے اب خون کی باری تھی جسے بیٹے کی جدائی میں لمحہ لمحہ جلنا تھا۔

آہ، میرا بوجھ تقسیم کرنے گیا تھا، مزید بوجھ ڈال کر چلا گیا۔ نتاشہ نے کرب کے ساتھ سوچا۔

بیرون ملک بھجوانے کے بعد جو رقم بچی تھی وہ اس کی تدفین میں نکل گئی۔ اور قرض بھی اس کے سر آ رہا۔ یوں پختہ مکان اور پیٹ بھر کے کھانے کے خواب دیکھنے والے مکینوں کے گھر خاک اڑنے لگی۔ نتاشہ نے اس قیامت کو بھی گزارنا تھا۔ کیونکہ اسے ماں اور بہن بھائیوں کو بھی سنبھالنا تھا۔

وقت کی گاڑی گھسٹ رہی تھی۔ پارلر کا کام بھی اب زیادہ ہو چکا تھا۔ دیہی علاقہ جات میں بھی شادیوں کے مواقع پر دلہنیں پارلر سے تیار کروانے کا رجحان چل نکلا تھا۔ نتاشہ کے دن بھی پھرنے لگے پہلے کہیں ہفتہ میں ایک بار دلہن کا آرڈر ملتا تھا اب حال یہ تھا کہ دن میں چار چار دلہنیں تیار کروانی ہوتیں۔ اس نے دو ہیلپر بھی رکھ لیں۔ ایک دکان کرایہ پر لے کر اسے فرش کروایا اور ظہیر والا قرض بھی ادا ہو گیا۔

گزشتہ دس سالوں میں اس نے بہت کچھ سیکھ سمجھ لیا۔ 16 برس کی لڑکی کو وقت نے استاد بنا دیا۔ اچھے برے کی تمیز سکھا دی۔ طلاق کے بعد اس کے کئی معقول رشتے بھی آئے مگر اس نے رد کر دیئے۔

''ضروری نہیں کہ ایک بار دھوکہ ہوا تو ہر بار برے لوگ ہی پلے پڑیں'' ماں سمجھاتی۔

''قسمت بری ہو تو برے لوگ ہر بار پلے پڑ سکتے ہیں'' نتاشہ جواب دیتی۔

''اللہ کے بھروسے پر ہاں کرنی ہے۔ جس کے سوا ہمارا کوئی نہیں'' دکھی ماں التجا کرتی۔

''اسی کے بھروسے پر تو جی رہی ہوں۔ ورنہ لوگوں نے تو جینے کا جواز نہ چھوڑا تھا'' اس نے آہ بھر کر کہا تھا۔

''تو پھر شادی کیلئے بھی ہاں کر دو۔ اس بدبخت نے تو چوتھی بھی کر لی اور تو بس اسی غم میں بیٹھی ہوئی ہے'' ماں سمجھاتی۔

''اس غم میں نہیں۔ غم اور بہت ہیں۔ پائدار اور

جاندار۔ باپ اور بھائی کا غم۔ دھوکہ دہی کا غم۔ بیٹے کی جدائی کا غم'' آنسو اس کے حلق میں پھنس جاتے۔

اور مزید نہ وہ کچھ کہتی اور نہ اس سے کہا جاتا۔

ایک دن آنے والے ایک معقول رشتے کا رخ اس نے عائشہ کی طرف موڑ دیا۔ اور اپنی بساط بھر جہیز دے کر اسے رخصت کر دیا۔ عائشہ کے فرض سے سبکدوش ہونے کے باوجود اس نے اس وقت تک اطمینان کا سانس نہیں لیا جب تک اسے کنفرم نہ ہو گیا کہ عائشہ خوش ہے اور سسرالی اچھے ہیں۔ اور یہ اطمینان کچھ عرصہ میں اسے ہو گیا کیونکہ عائشہ واقعی خوش تھی اور سسرالی بھی اچھے اور خیال رکھنے والے تھے۔ دو سال بعد شائلہ کی شادی بھی ہو گئی یوں بہنوں کے فرض سے سبکدوش ہو کر وہ کچھ ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

اظہر بھی بی اے کر چکا تھا اور وہی ظہیر والی ضد کیے نتاشہ کے سامنے کھڑا تھا۔

''اظہر تم بیرون ملک جانے کا سوچنا بھی نہیں۔ تمہارا یہ مطالبہ ہم سب کی روح تک کو گھائل کر دیتا ہے۔ زخموں کو ادھیڑو مت'' نتاشہ نے کہا۔

''ضروری نہیں کہ موت ہی میرا بھی استقبال کرے۔ اپنی اپنی قسمت کی بات ہوتی ہے'' اظہر نے جواب دیا تھا۔

''تمہارے پاس کیا جواز ہے تمہاری باتوں کا'' نتاشہ نے کہا تھا۔

''آپ کی عائلی زندگی ناکام رہی۔ بچے سے جدائی کا کرب سہہ رہی ہیں'' اظہر نے کہا۔

نتاشہ نے جواباً آنکھیں پھیلا کر بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

''ناکام رہی ناں؟'' اظہر نے جواب طلب کیا۔

نتاشہ نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلایا۔

''لیکن الحمدللہ عائشہ اور شائلہ اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ اپنی تقدیر کا لکھا تو سب کو مل جاتا ہے۔ بس مجھے بھی قسمت آزمائی کا موقع ملنا چاہیے'' اظہر نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''تم قسمت ضرور آزماؤ لیکن ادھر پاکستان میں۔ پیسہ چاہیے۔ میں تمہیں دوں گی۔ کاروبار کرو کچھ بھی کر لو۔ لیکن یاد رکھو ظہیر کے راستے پر چلنے کی اجازت میں نہیں دوں گی'' نتاشہ کا انداز دوٹوک تھا۔

'' یہاں پاکستان میں کیا رکھا ہے۔ نہ تعلیم کا کوئی فائدہ۔ نہ کاروبار کی ترقی'' اظہر نے خفگی سے کہا۔

''وہاں کیا رکھا ہے۔ بیرون ملک'' نتاشہ نے کرب کیساتھ کہا

''موت؟'' اس نے بھیگے لہجے میں کہا تھا۔

''ہاں بتاؤ وہاں کیا رکھا تھا۔ کیا لینے جاتے ہو تم لوگ ادھر۔ تم پاکستانی .....معیشت کے چکروں میں، خاندان کو سپورٹ کرنے کے خیالوں میں اونچے اونچے خواب بسا لیتے ہو۔ پھر کوئی صحرا میں بھوکا پیاسا مر جاتا ہے۔ تو کسی کی کشتی ڈوب جاتی ہے۔ کوئی ڈی پورٹ ہو جاتا ہے۔ تو کوئی ساری عمر روزگار کی تلاش میں بھٹکتا رہتا ہے۔ غیر قانونی قیام پکڑے جانے کے خوف میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تمہارے پیچھے تمہاری جائیدادیں، گھر اور زمینیں بک جاتی ہیں بچے جوان ہو جاتے ہیں بیٹیاں شادی کی عمر کو پہنچ جاتی ہیں اور تم لوٹ کر نہیں آتے۔ ماں کی موت اور باپ کی جدائی بھی تمہیں واپس نہیں لا سکتی۔ وہیں سسک سسک کر رہ جاتے ہو۔ تم لوگ اپنے پاؤں پر واپس نہیں آتے ہو۔ صرف تابوت میں

ہی آتے ہو۔نتاشہ پھٹ پڑی تھی''

کچھ لمحے توقف کے بعد اظہر بولا''یہ تصویر کا ایک رخ ہے''

''دوسرا رخ بھی جانتی ہوں، اگر تم لوگ برسر روزگار ہو جاؤ اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ تو پھر گھر والوں کی شکلیں تمہیں بھول جاتی ہیں اپنے دیس کی لڑکیاں اجڈ اور گنوار محسوس ہوتی ہیں پرائے پرفیوم کی خوشبو میں تم دیس کی کچی مٹی کی سوندھی خوشبو کو بھلا دیتے ہو۔ وہاں شادیاں بھی کرتے ہو، بچے بھی پیدا کرتے ہو۔ نہ ادھر کے رہتے ہو نہ ادھر کے، پھر تمہاری تہذیب، ثقافت سب ملیا میٹ ہو جاتے ہیں'' نتاشہ نے اظہر کی بات کاٹ دی تھی۔

''باجی! بہت سے نوجوان اپنی تہذیب پر نہ صرف قائم رہتے ہیں بلکہ گھر والوں کو سپورٹ کرتے اور ان سے رابطہ میں رہتے ہیں شادی بھی نہیں کرتے۔ اس رخ کی طرف بھی تو دیکھیں ناں'' اظہر نے کہا تھا۔

''ہاں اس رخ کی طرف بھی میرا دھیان ہے۔ یہ پاکستان میں بھی پینٹ کیا جا سکتا ہے۔ تمہیں کلرز اور برش دینا میری ذمہ داری ہے۔ اگر رزق مقدر میں ہے تو یہاں بھی مل جائے گا۔ میں تمہیں ہر طرح کی مدد دینے کو تیار ہوں۔ لیکن پلیز ہم اجنبی راہوں میں کئی بار مارے جا چکے ہیں اب ہمت نہیں'' نتاشہ نے فیصلہ سنا دیا۔

اظہر کئی روز سوچ بچار کے بعد نتاشہ کے فیصلے کو تسلیم کر چکا تھا۔ اس نے رقم لے کر کاروبار شروع کیا جو آہستہ آہستہ چل پڑا۔ خدا کا فضل کہ اظہر نے محنت بھی کی اور خلوص سے کام میں دل لگائے رکھا تو نتاشہ سے لی رقم بھی اسے واپس ہو گئی۔ اور گھر میں اس کی کمائی بھی آنا شروع ہو گئی۔ بیٹے کی کمائی گھر میں آئی۔ تو نتاشہ کی ماں بھی پرسکون ہونے لگیں۔ گھر بھی پختہ وہ گیا اور دیگر ضروریات زندگی بھی میسر آ گئیں۔

نتاشہ کو دلہن کی تیاری کے سلسلے میں جہاں بھی جانا پڑتا ایک سوال ہر بار اس کا منتظر ہوتا۔

''آپ شادی شدہ ہیں؟'' سوال کیا جاتا۔

''جی ہاں'' مختصر جواب دیا جاتا۔

''بچے ہیں؟'' پھر سوال کیا جاتا۔

''ایک بیٹا ہے'' جواب مختصر۔

''کتنے سال کا؟'' سوال آتا۔

16''سال کا ہو جائیگا اس سال'' جواب آتا

''بس ایک ہی بیٹا..... آگے اولاد نہ ہوئی؟'' اگلا سوال

''شادی کے ڈیڑھ سال بعد طلاق ہو گئی تھی'' مجبوراً اسے سچ بتانا پڑتا۔ پھر پوری کہانی چل پڑتی۔ شوہر کی دھوکہ دہی، عیاشی، بیٹے کی جدائی۔

''تو اب بلا لیں مل لیں۔ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا'' مشورہ آتا۔

''ہاں ضرور بلا لوں گی'' وہ فیصلہ سناتی۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

اور آج 16ویں سالگرہ پر پہلی بار اس نے بیٹے کو فون کیا تھا ابتسام کی آواز سن کر جواب کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

کس قدر مشکل ہے یہ کہنا کہ بیٹا واپس آ جاؤ۔ اس نے فون کے پاس بیٹھے بیٹھے سوچا تھا

نہ جانے وہ کیا جواب دے گا۔ اس کا دل خدشوں کی زد میں تھا۔

جو بھی ہو مجھے اس سے بات کرنی ہے۔آج نہیں تو کل کبھی نہ کبھی تو کرنی ہے۔تو پھر آج ہی کیوں نہیں۔اس نے سوچا اور فون دوبارہ ملایا۔

''ہیلو''۔ابتسام کی آواز آئی۔وہ شاید ابھی فون کے آس پاس ہی تھا۔

''ہیلو بیٹا''نتاشہ نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا تھا۔

''جی کون''ابتسام نے پوچھا تھا۔

''تمہاری ماں'' لگی لپٹی کے بغیر نتاشہ نے کہہ دیا اور ردعمل سننے کیلئے ہمہ تن گوش ہوگئی۔

''میری ماں!'' ابتسام نے حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ یوں کہا جیسے اس کی ماں ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

''ہاں! تمہاری ماں بیٹا، تمہاری ماں بات کر رہی ہوں''اس نے پیار سے جواب دیا۔

''آپ اب تک کہاں تھیں؟''ابتسام کا سوال آیا۔

''مم۔مم۔میں''نتاشہ کے پاس الفاظ ختم ہوگئے۔وہ کچھ ثانیے خاموش رہی۔

''ماما!''ابتسام بولا۔

''میں جہاں بھی تھی پل پل تمہیں ملنے کیلئے بے تاب تھی''نتاشہ نے جواب دیا۔

''مجھے کیا فائدہ ہوا، پاس ہونے اور دور رہ کر بے تاب ہونے میں پھر بھی فرق تو ہوتا ہے ناں''ابتسام نے شکوہ کیا۔

''کیا تم نے یہ سوچ رکھا تھا کہ تم جب مجھ سے ملو گے تو مجھے، ماما، کہو گے''نتاشہ نے تڑپ کر پوچھا تھا۔

''نہیں میں نے یہ نہیں سوچ رکھا تھا، ماما تو میرے سوتیلے بہن بھائی اپنی ماں کو کہتے ہیں میں نے بھی کہہ دیا''ابتسام نے جواب دیا۔

''کیا تم نے کبھی مجھ سے ملاقات کا نہیں سوچا؟''نتاشہ نے پوچھا تھا۔

کچھ لمحے خاموشی رہی۔پھر جواب آیا۔

''نہیں میں یہ نہیں سوچتا تھا۔کیونکہ جانے والوں سے ملنے کی امید رکھنا بے وقوفی ہے۔میں صرف یہ سوچتا تھا کہ کاش میری بھی ماما ہوتیں اور میں''ابتسام خاموش ہوگیا۔

''کیا چھوڑ کر جانے والے لوٹ آتے ہیں جوان سے ملنے کا سوچنا چاہیے''ابتسام نے کچھ لمحوں بعد جواب دیا۔

''ایک غریب، بے بس، فریب میں آئی ہوئی ماں تمہیں کیا دے سکتی تھی؟''نتاشہ نے پوچھا۔

''مامتا!'' ابتسام نے بے ساختہ کہا تھا۔اور سنجیدگی سے کہا تھا۔

نتاشہ اس کے جواب پر حیرت زدہ ہوگئی۔اس کا بچہ مامتا کیلئے پیاسا رہا یہ سوچ اس کو دکھی کر گئی۔

''مامتا کہیں نہیں کھوئی۔تم پر نچھاور ہونے کو بے تاب ہے۔اب وصول کر لو''نتاشہ نے کہا تھا۔

''پچھلے 16 سال کا حساب کیسے چکائیں گی؟''ابتسام نے سوال کیا۔

''تم کیسے کہتے ہو کہ تم نے مجھ سے ملاقات کا نہیں سوچا تھا۔تم نے سوچا تھا اور اس ملاقات کے حوالے سے سارے سوال بھی سوچ رکھتے تھے''نتاشہ نے کرب کے ساتھ کہا۔

مگر اس بار ابتسام نہیں بولا۔

''اور اس تڑپتی سسکتی۔اور ترسی ہوئی مامتا کی پیاس کا حساب کون دے گا؟''نتاشہ نے کچھ لمحے توقف کے بعد

کہا۔

''یہ دنیا عجیب ہے! ہر کوئی اپنا حساب مانگتا ہے، حساب دینے کو تیار کوئی بھی نہیں''

ابتسام نے جواب دیا۔

''اگر تم حساب لینا ہی چاہتے ہو تو اپنے باپ سے شروع کرو'' نتاشہ رو پڑی تھی۔

''اس سے حساب لوں جس نے دو وقت کی روٹی اور تعلیم دی'' ابتسام نے سوال کر دیا۔

'' یہ چیزیں میں بھی تمہیں دے سکتی ہوں۔ کیا تم میرے پاس آ جاؤ گے'' نتاشہ نے بھی سوال کیا تھا۔ اور دھڑکتے دل کے ساتھ کیا تھا۔

ادھر سے فوری طور پر کوئی جواب نہ آیا۔ جبکہ نتاشہ کا پورا جسم ہاں سننے کیلئے بے تاب تھا۔

''ابتسام! میں نے تمہیں کچھ پوچھا ہے'' نتاشہ نے ساری ہمت مجتمع کر کے پوچھا۔

''نہیں'' ادھر سے جواب آیا۔

زلزلے سے نتاشہ کے دل و دماغ میں برپا ہونے لگے۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمت کر کے اس نہیں کا جواب مانگتی۔ ایک اور بھاری مردانہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''ابتسام! کس کا فون ہے؟'' اس کا باپ احتشام فون کے بارے میں استفسار کر رہا تھا۔

''ماما کا فون ہے'' اس نے جواب دیا تھا۔

''اس کی جرات کیسے ہوئی۔ یہاں فون کرنے کی'' وہ گرجا۔

''یاد رکھو یہ وہ عورت ہے جو تمہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اور تم یہ کیا حماقت کر رہے ہو۔ کہ پچھلے دس منٹ سے اس کے ساتھ باتیں کر رہے ہو۔ تمہیں فون پر بلایا کس نے تھا'' اور فون بند ہو گیا۔ جو پٹخ کر کریڈل کے اوپر رکھا گیا تھا۔

تو گویا کہ وہ اپنے حصے کی ممتا کا مجھ سے حساب مانگتا ہے۔ اور میں نے جو سولہ برس تڑپ تڑپ کر گزار دیئے۔ اپنے باپ سے اس کا حساب لینے کو تیار نہیں۔ نتاشہ نے کرب کے ساتھ بستر پر پہلو بدلا۔

باپ نے خوب زہر بھر دیا میرے خلاف، دو وقت کی روٹی کے عوض باپ کی وفاداری۔ اس نے پہلو کے بل لیٹ کر سوچا۔ وہ باپ جس نے سوتیلی ماں کا سایہ کیے رکھا۔ وہ بستر پر سیدھی ہو گئی اور بازو ماتھے پر رکھ دیا۔

کیا اسمیں میرا کوئی قصور تھا۔ میں رہتی تو بھی مزید شادی اس نے ضرور کر لینی تھی۔ سوتیلی ماں تو پھر بھی آ جانی تھی۔ لیکن اس میں اس معصوم بچے کا کیا قصور تھا۔ نہ جانے کیسے اس نے بچپن کے لمحے گزارے ہوں گے۔ وہ ایک دم دکھی ہو گئی۔

سوتیلے بہن بھائیوں نے اسے ڈی گریڈ کیا ہو گا۔ کئی بار کیا ہو گا۔ کچھ مانگنے سے پہلے سو بار سوچتا ہو گا۔ خواہشات کو پالنا فرمائش کرنا ضد اور لاڈ کرنا تو اس کے نزدیک گناہ ہو گا۔

نتاشہ کے آنسو بہہ بہہ کر کان بھگو رہے تھے۔

کس کی گود میں سر رکھتا ہو گا۔ محبت اور لاڈ میں آ کر۔ اس نے مضطرب ہو کر کروٹ لی۔

اب میں اسے لوٹ آنے کا کیسے کہتی۔ وہ نہیں آئے گا۔ اس نے اپنی محرومیوں کے عوض میری جو سزا تجویز کی ہے وہ درست ہے۔ اس کے سینے میں درد سا اٹھا۔ اسی کشمکش میں

اس کی آنکھ نہ جانے رات کے کون سے پہر لگ گئی۔

☆☆۔۔☆☆۔۔☆☆

''میم کوئی لڑکا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے'' کچھ دنوں بعد جب وہ آفس گئی تو ہیلپر لڑکی نے اسے اطلاع کی تھی۔

نتاشہ جو آفس میں بیٹھی ایک فیشن میگزین دیکھنے میں مصروف تھی، اس اطلاع پر چونک کر مریم کی طرد یکھا۔

آج تک تو لڑکیاں ہی آتی ہیں۔ شادی کی تاریخ بتانے۔ وقت لینے۔ فیس طے کرنے یا پھر ان کے ساتھ خواتین ہی ہوتی ہیں۔ نتاشہ نے سوچا اور میگزین کے صفحے الٹنے لگی۔

''کیا لڑکے بھی پارلر آنے لگے'' اس نے مریم سے پوچھا۔

''آتے ہیں میم۔ اپنی بہنوں یا بھابیوں کیلئے وقت لینے۔ جو ہم خود ہی دے دیتی ہیں۔ لیکن یہ لڑکا آپ سے ڈائریکٹ ملنا چاہتا ہے۔ کہتا ہے۔ احتشام الحق صاحب کے گھر سے آیا ہوں۔ آپ کی میم سے ملنا ہے'' مریم نے وضاحت کردی۔

''کیا'' نتاشہ کے ہاتھ سے میگزین چھوٹ گیا تھا۔

''ابتسام!'' اس کے ذہن نے آنے والے کا نام بھی سوچ لیا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور باہر کی طرف بھاگی۔ برآمدے میں لگی ہوئی کرسیوں پر ایک لڑکا بڑے ادب سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ نتاشہ عین اس کے سر پر پر آ کھڑی ہوئی۔

''کک۔ کک۔ کون ہو تم'' نتاشہ نے لڑکھڑاتی زبان کیساتھ پوچھا۔

''وہ، جی، میں غلام فرید، احتشام صاحب کے گھر کا ملازم'' وہ لڑکا بھی نتاشہ کے انداز پر گھبرا سا گیا۔

''ملازم'' نتاشہ نے دل میں یہ لفظ دہرایا۔ اس کی ساری تڑپ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

''تمہارے ساتھ کوئی ہے'' اس نے باہر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی نہیں۔ یہ احتشام صاحب نے آپ کیلئے دیا ہے'' غلام فرید نے ایک کاغذ جو چار تہوں میں لپٹا ہوا تھا۔ نتاشہ کے ہاتھ میں تھمایا اور خود باہر کی طرف چل دیا۔

وہ کاغذ ہاتھ میں پکڑے ہونق زدہ چہرے کے ساتھ ملازم کو باہر جاتا دیکھ رہی تھی۔ اور یہ کاغذ کیا تھا۔ ایک کرب ناک اطلاع۔ ایک دکھ بھرا پیغام۔ کہ احتشام نے اپنے بیٹے کو مزید تعلیم کیلئے بیرون ملک بھجوا دیا تھا۔ اور یہ کہ وہ اپنی ماں سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ اس لیے وہ بھی اسے ملنے یا فون کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اور اگر اس نے ایسی کوئی بھی کوشش کی تو اسے ناکامی کا سامنا ہوگا۔

☆☆۔۔☆☆۔۔☆☆

''وہ بھی باپ کی طرح بے حس نکلا'' نتاشہ ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی۔ یا اسے بے حس بنایا گیا ہے جو بے بس ماں کی مجبوریوں کو نہ سمجھ سکا۔ ماں سے کون انتقام لیتا ہے۔ اس نے خود کلامی کی۔

''بچہ ہے، ناسمجھ ہے، تم جان کو کیوں ہلکان کر رہی ہو، صبر سے کام لو'' ماں نے سمجھایا۔

''16 سال کی عمر میں آپ نے مجھے بچہ نہیں سمجھا۔ میں اسے کیسے بچہ سمجھوں'' وہ ماں کیساتھ الجھ پڑی تھی۔

''تمہارے حالات اور تھے۔اور پھر وہ باپ کے ساتھ رہا ہے۔جس نے اس کے سامنے تمہاری تعریفیں تو کرنی نہیں تھیں۔ بچے کے ذہن میں جو ڈال دیا جائے وہ اسے حقیقت سمجھ لے گا'' ماں نے کہا۔

''ایک کال نے اسے مجھ سے اور دور کر دیا۔اور وقت گزارنے کے ساتھ وہ مجھ سے اور زیادہ دور ہو گا'' وہ کرب کے ساتھ چلائی اور ماں کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

''مجھے یقین ہے کہ وہ ایک دن حقیقت جان لے گا اور تمہارے پاس لوٹ آئے گا'' ماں نے تسلی دی۔

''نہیں وہ نہیں آئے گا۔کبھی نہیں آئے گا'' وہ بے خودی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

اس نے کئی ماہ اعصابی تناؤ میں گزار دیئے۔کام میں دلچسپی کم ہوگئی۔دلہنیں بنانے کا کام ہیلپرز کو دے دیا۔خود کبھی کبھار جاتی۔دکھ جتنا بھی بڑا ہو اسے گزارنا ہوتا ہے۔سو وہ بھی زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہی تھی۔

اظہر کا کام سٹیبل تھا اور اس کام کو مزید بڑھا چکا تھا۔اس لیے گھر میں ایک عدد بہو لانے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔اظہر نے اس سلسلہ میں نتاشہ کے اوپر ہی مرضی چھوڑ دی تھی۔اس لیے نتاشہ نے ماں کے مشورے سے شائلہ کی نند کو بہو کے طور پر پسند کر لیا۔یہ رشتہ شائلہ کی سسرال میں اس لیے طے کیا تھا کیونکہ وہ انتہائی اچھے لوگ تھے۔اور شائلہ کی تمام نندیں سلجھی ہوئی اور پڑھی لکھی سلیقہ شعار تھیں۔

''اگر تم نتاشہ باجی کو خوش رکھ سکو تو مجھے تم سے مزید کسی خدمت کی طلب نہیں'' اظہر نے شادی کے بعد آمنہ کو سمجھایا تھا۔

''آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں۔مجھے اندازہ ہے کس طرح انہوں نے قربانیاں دے کر آپ لوگوں کو پال پوس کر بڑا بھی کیا اور کمانا بھی سکھایا'' آمنہ نے اظہار ناراضگی کر دیا۔

''جانتا ہوں شائلہ نے تمہیں بتایا ہی ہو گا۔میں نے فرض کے طور پر کہنا مناسب جانا'' اظہر نے کہا تھا۔

''آپ کو شکایت نہیں ہوگی'' آمنہ نے یقین دلایا تھا۔

اور وقت نے دکھایا کہ آمنہ نے ساس اور نند کی خوب خدمت کی، اظہر کا دل بھی جیت لیا۔گھر میں سال بعد جب خوشی کی خبر آنے والی تھی۔نتاشہ بہت خوش تھی۔

اجنبی ماحول کی اجنبیت سے چھٹکارا ملا۔ہمارے پاؤں بھی اس زمین پر لگ ہی گئے۔جس نے جھولی میں خار ڈالے تھے،نتاشہ نے سوچا۔جب آمنہ کی گود میں گول مٹول سا خوبصورت بچہ آیا تو اس نے اظہر کو اس کے بارے میں اپنا فیصلہ سنا کر حیران کر دیا۔

''ہم یہ بچہ نتاشہ آپی کو دے دیں گے۔اللہ ہمیں ایک اور بچہ دے دے گا'' آمنہ نے شرارت سے کہا تھا۔

اظہر کی خاموشی بھی اسے فیصلے کی تائید میں تھی۔

''یہ بچہ تمہارا ہے۔اور تمہیں مبارک ہو'' نتاشہ نے آمنہ کی بات سن کر اس کا ماتھا چوما اور بچے کو گود میں اٹھا لیا۔

''آپی! یہ آپ کا بیٹا ہے۔اور میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں'' آمنہ نے کہا تھا۔

''میری جان میں نے کب کہا کہ تمہیں اظہر نے مجبور کیا ہو گا۔بیٹے اور بیٹیاں ہم سہارے کیلئے مانگتے تو ہیں لیکن اصل سہارا خدا کی ذات کے علاوہ کوئی نہیں'' نتاشہ نے جواب دیا۔

آمنہ اور اظہر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

انہیں کوئی جواب بن نہ آیا۔

اور یہ سوچنا بھی نہ کہ میں ایک ماں سے اس کا بیٹا لے لوں گی۔ اور کل وہ جوان ہو کر اپنی ماں سے مامتا کا حساب مانگتا پھرے، پھر تم اس کا کیا جواب دو گی۔ نتاشہ نے پوچھا۔

آپا ایسا کچھ نہیں ہوگا اس کا باپ اظہر ہے، احتشام نہیں۔ آمنہ نے کہا۔

اور ویسے بھی یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ میرا بھتیجا ہے۔ بھتیجے بیٹوں جیسے ہی ہوتے ہیں ناں۔ نتاشہ نے بچے کو پیار کیا اور ماں کی گود میں واپس کر دیا۔

☆☆۔۔☆☆۔۔☆☆

زندگی کے مزید 9 سال گزر گئے۔ ابتسام 25 سال کا ہو گیا۔ اس نے ناشتے کی میز پر بیٹھے سوچا 6 ماہ کا بچہ جب 25 برس کا ہو جائے تو اسے بن دیکھے پہچان ہو سکتی ہے۔ یا نہیں۔ ناشتے سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔

آج ابتسام کی سالگرہ ہے۔ اس نے کرب کیساتھ فون کی طرف دیکھا تھا۔

اوہوں۔ کوئی کال نہیں۔ کال کی بھی جائے تو کیسے۔ اس نے سوچا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید الجھنوں کا شکار ہوتی۔ اپنی سوچوں کو دھکیل کر ایک طرف کیا اور آفس چلی گئی۔

جیسے ہی وہ افس کے دروازے تک آئی ایک نوجوان نے بڑھ کر اسے سلام کیا۔ نتاشہ نے صرف سر ہلا کر جواب دیا اور اندر جانے کیلئے دروازہ کھولا۔

''آپ نتاشہ ہیں؟'' نوجوان نے کہا۔

''ہوں'' نتاشہ نے مختصر جواب دیا اور مڑ کر اسے دیکھا۔ آواز کچھ مانوس سی تھی۔

''کیا کام ہے آپ کو؟'' نتاشہ نے کہا۔

جواباً نوجوان نہ جانے کیوں چند ثانیے خاموش رہا۔

''بھئی کسی بہن، بھابی کو دلہن بنوانا ہے؟'' نتاشہ نے پوچھا۔

''نہیں ایسا کچھ نہیں'' نوجوان نے جواب دیا۔

''پھر کوئی اور کام؟'' نہ جانے کیوں اسکے انداز عجیب سے دکھائی دیے نتاشہ کو۔

''مامتا کا ترسا ہوا ایک متلاشی نوجوان ہوں، کیا یہاں پر اسے ماں مل جائے گی؟'' نوجوان نے کہا۔

''کک۔ کون ہو تم؟'' نتاشہ نے غور سے دیکھا تھا اسے۔

''ابتسام! جسے 9 سال پہلے ٹھیک اسی دن مامتا کے لوٹائے جانے کی آفر ہوئی تھی'' نوجوان نے کہا۔

''ابتسام کون۔؟'' نتاشہ کا دل زور سے دھڑکا تھا مگر وہ اپنے شکوک دور کرنا چاہتی تھی۔

''وہی ابتسام جسے ماں نے 6 ماہ کی عمر میں باپ کی گود میں.....!

''تو پھر اس آفر کو قبول کیوں نہ کیا تم نے؟'' نتاشہ نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''ایک غریب، بے بس۔ فریب میں آیا ہوا۔ مجبور بیٹا آپ کو کیا دے سکتا تھا'' ابتسام نے کہا۔ نتاشہ کچھ نہ بول سکی۔ ابتسام نے اس کا جواب اسی پر پلٹ دیا تھا۔

''میں نے سوچا اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر ماں کا سہارا بن کر پلٹوں گا'' ابتسام نے جواب دیا۔

نتاشہ کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔

''میں چاہتا تو ائیر پورٹ سے بھاگ آتا۔ لیکن میں

نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ مجھے آپ کی قوت بننا تھا، آپ کی کمزوری نہیں، کیونکہ مجھے آپ کا بوجھ تقسیم کرنا تھا، اس میں اضافہ نہیں کرنا تھا'' ابتسام بول رہا تھا۔

اور نتاشہ کی آنکھوں کی دھند برسات بن رہی تھی۔

''اگر اس وقت میں آپ کو ہاں میں جواب دیتا تو آپ کیلئے میرا باپ مسائل کھڑے کرسکتا تھا۔ جن کو میں اس وقت حل نہیں کرسکتا تھا۔ اب الحمداللہ میں برسرروزگار ہوں اور خودمختار ہوں'' ابتسام نے بات جاری رکھی۔

''اب میری ماں کے محنت اور مسائل کے دن گئے'' ابتسام نے ماں کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے جیسے برسوں سے ایسا کرنے کا عادی ہو۔

نتاشہ کو یونہی محسوس ہوا کہ ان مضبوط ہاتھوں کے بوجھ تلے اس کندھے پر بوجھ سے آزاد ہوگئے تھے۔ وہ بیٹے کے ہاتھوں کی لمس سے کس قدر ہلکی پھلکی، کس قدر پرسکون ہوگئی تھی۔ اسے کب معلوم تھا۔ آج جب وہ آفس جائے گی تو ایک 6 فٹ کے وجیہ نوجوان کی صورت میں زمانے کی تمام خوشیاں اس کا دامن بھرنے کو تیار کھڑی ہوں گی۔

''تمہارا باپ تمہیں پلٹنے دے گا'' نتاشہ نے بمشکل یہ الفاظ کہے تھے۔

''مجھے ان کی اجازت کی ضرورت کیوں ہوگی؟'' ابتسام نے کہا۔

''اور ویسے بھی ان کی وسیع سلطنت سے کوئی نکل جائے یا داخل ہوجائے انہیں کیا فرق پڑتا ہے'' ابتسام نے اپنے ہاتھ کندھوں سے ہٹالیے۔

''میں نے اپنے باپ سے حساب لے لیا۔ اب ذرا آپ اپنا حساب دیجیے'' وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔

نتاشہ کو اس کی باتیں صحرا میں بارش کی پھوار محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے تھے۔

ابتسام نے پھیلے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اور انہیں چوم کر آنکھوں سے لگایا تھا۔

''میں کوئی 6 ماہ کا بچہ نہیں کہ آپ کی گود میں آجاؤں گا'' ابتسام نے بڑھ کر ماں کو دونوں بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

25 سال بعد تڑپتی سسکتی اور پیاسی مامتا کو قرار آ گیا تھا۔

☆☆☆

حضرت آسیہؓ بنتِ مزاحم

نام اور خاندان

ان کا نام آسیہؓ بنت مزاحم تھا۔ یہ فرعون کے خاندان سے تھیں۔ قرآن میں ''امراۃُ فرعون''، یعنی فرعون کی عورت یعنی بیوی کا ذکر ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام آسیہؓ تھا۔ قرآن ''امرۃُ فرعون'' کو مومنہ قرار دیتا ہے

مناقب وفضائل

ابنِ عساکر میں ہے کہ حضرت جبرائیلؑ حضورؐ کے پاس آئے راستے میں انہوں نے دیکھا حضرت خدیجہؓ بھی ادھر چلی آرہی ہیں تو حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہ کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے انہیں خوش خبری دے دو چاندی کے ایک گھر کی جہاں نہ گرمی ہے نہ تکلیف، نہ شوروغل، جو چھدے ہوئے موتی کا بنا ہوا ہے جس کے دائیں بائیں آسیہ بنت مزاحم اور مریم بنت عمران کے مکانات ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسولؐ نے زمین پر چار لکیریں لگائیں اور فرمایا کیا تم جانتے ہو ان لکیروں سے کیا مراد ہے۔ سب ہم نشیں صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اسکا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ان لکیروں سے کائنات کی افضل و برتر چار خواتین مراد ہیں (۱) حضرت خدیجہؓ بنت خویلد (۲) فاطمہؓ بنتِ محمدؐ (۳) مریم ؑ بنتِ عمران (۴) آسیہؓ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی)

یہ خواتین جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ حضرت مریم ؑ کو والدہ حضرت عیسیٰؑ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت آسیہؓ کے آنگن میں حضرت موسیٰؑ نے پرورش پائی۔ حضرت خدیجہؓ کو امّ المومنین ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور حضرت فاطمہؓ تو خواتینِ جنت کی سردار ہیں۔

حالات زندگی

حضرت آسیہؓ فرعون کی ملکہ تھیں۔ انہیں محل میں ہر طرح کا عیش وآرام حاصل تھا۔ بے شمار خدام ہر وقت انکے اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے۔ خادمائیں انکی ایک آواز پر دوڑی چلی آتیں مگر اس پر تعیش زندگی میں بھی وہ اپنے آپ کو **دارُالعذاب** میں محسوس کرتی تھیں۔ یہ وہ دور تھا جب فرعون نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ وہ مصر کا بادشاہ تھا۔ اس نے بنی اسرائیل پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے۔ بنی اسرائیل مصر میں نہایت ذلت اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت آسیہؓ مومنہ اور سلیم الفطرت تھیں۔ ایک مومنہ کفر ومعصیت اور ظلم وعدوان کے ماحول میں کبھی اطمینان کا سانس نہیں لے سکتی۔ یہی حال حضرت آسیہؓ کا تھا اگرچہ انکے نصیب میں شاہی محل میں رہنا لکھا تھا مگر وہاں آرام وآسائش کی زندگی بھی انکی روح کو پرسکون نہ بنا سکی تھی۔

فرعون کا خواب اور نجومیوں کا بیان

تورات اور مورّخین کہتے ہیں کہ فرعون کو بنی اسرائیل

کے ساتھ اس لئے عداوت ہوگئی تھی کہ اس زمانہ کے کاہنوں، نجومیوں نے اسکو بتایا تھا کہ تیری حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہوگا۔ اور بعض تاریخی روایات میں ہے کہ فرعون نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا جسکی تعبیر بھی وہی بتائی گئی کہ اسرائیلیوں میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تجھے ختم کردے گا۔ چنانچہ فرعون نے کوتوال کو بلا کر اعلان کرادیا کہ بنی اسرائیل کے جس گھر میں لڑکا پیدا ہوا سے قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔

عمران کے گھر میں موسیٰؑ کی پیدائش

حضرت موسیٰؑ کی ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جب کہ فرعون اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا اس لئے انکی والدہ اور اہل خاندان ان کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ کسطرح بچہ کو قاتلوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھیں، لیکن جاسوسوں کی دیکھ بھال اور حالات کی نزاکت کی وجہ سے زیادہ دیر تک انکی پیدائش کو خفیہ نہیں رکھا جا سکتا تھا اور اس سخت وقت میں اللہ تعالیٰ نے انکی والدہ کی مدد کی اور ان کے دل میں القا کیا کہ تابوت کی طرح کا صندوق بناؤ جس پر رال اور روغن کی پالش کرو۔ اس میں بچہ کو پوشیدہ رکھ دو پھر اس صندوق کو نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو۔

حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے ایسا ہی کیا اور اپنی بڑی لڑکی مریم کو مامور کیا کہ وہ صندوق کے بہاؤ کے ساتھ کنارے کنارے چل کر صندوق کو نگاہ میں رکھے

حضرت آسیہؓ کا موسیٰؑ کو گود لینا

اسی روز فرعون کی بیوی بیٹی اور چند خادمائیں دریائے نیل کے کنارے بیٹھی تھیں کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک صندوق پانی پر بہتا چلا آ رہا ہے آسیہؓ بنت مزاحم زوجہ فرعون نے خادماؤں کو حکم دیا کہ صندوق کو دریا سے نکال لاؤ چنانچہ وہ صندوق شاہی محل کے اندر پہنچا دیا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کی ہمشیرہ یہ دیکھ بہت خوش ہوئیں اور محل کی خادماؤں میں شامل ہوگئیں۔

قرآن کھیں میں اسی شاہی خاندان کی عورت کو فرعون کی بیوی بتایا گیا ہے ’’فالتقطه ال فرعون‘‘ ’اور اسے اٹھایا فرعون کے گھر والوں نے‘ ’’وقالتِ امراة فرعون‘‘ ’اور فرعون کی بیوی نے کہا‘

جب فرعون کے گھر والوں نے صندوق کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک حسین اور تندرست بچہ آرام سے لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ حضرت آسیہؓ نے بچہ کو دیکھا تو باغ باغ ہوگئیں اور انتہائی محبت سے اسکو پیار کیا۔

محل کے شاگرد پیشہ میں کسی نے کہا کہ یہ تو اسرائیلی معلوم ہوتا ہے اور ہمارے دشمنوں کے خاندان کا بچہ ہے۔ اسکا قتل کر دینا ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی ہمارے خواب کی تعبیر ثابت ہو۔ اس بات کو سن کر فرعون نے اس بچے کو دیکھ کر کہا یہ وہی لڑکا ہے جس سے نجومی مجھے ڈراتے تھے، اب یہ میرے اقبال کو دیکھ کر خود ہی میرے پاس چلا آیا ہے اب اسے مار ڈالو۔

اسکے تیور دیکھ کر حضرت آسیہؓ نے فرعون سے کہا ’’ایسے پیارے بچے کو قتل نہ کرو۔ کیا عجب کہ یہ میرے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے تاہم اسکو اپنا بیٹا ہی بنالیں اور ہمارے لئے اسکا وجود نفع بخش ثابت ہو جو تیرے خواب کی تعبیر بننے والا ہے تو ہماری محبت اور آغوش تربیت شائد اسکو مضر ہونے کی بجائے مفید ثابت کر دے۔‘‘

مگر فرعون اور اسکے خاندان کو کیا معلوم کہ خدا کی تقدیر

ان پر ہنس رہی ہے کہ رب العلمین کی کرشمہ سازی دیکھو کہ تم اپنی نادانی اور بے خبری میں اپنے دشمن کی پرورش پر نگران مقرر کئے گئے ہو۔

فرعون نے فیصلہ بدل لیا اور بیوی کی بات مان لی۔ حضرت آسیہؓ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنا بیٹا بنالیا اور دائیوں کو حکم دیا کہ انہیں دودھ پلاؤ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی والدہ سے کئے گئے وعدہ کو پورا کرنے کیلئے بچہ کی طبیعت میں یہ بات پید اکر دی کہ وہ کسی بھی دوسری عورت کا دودھ نہ پیتا تھا۔ انکی ہمشیرہ مریم بھی وہیں موجود تھیں۔ انہوں نے کہا اگر اجازت ہوتو ایسی عورت کا پتا بتاؤں جو نہایت نیک اور خدمت کیلئے بہت موزوں ہے بلکہ حکم ہو تو میں خود ساتھ لے آؤں۔ حضرت آسیہؓ نے دایہ کو لانے کا حکم دے دیا حضرت آسیہؓ نے دو برس حضرت موسیٰؑ کو انکی والدہ کے سپرد کیے رکھا جو محل میں ان کے ساتھ رہتی رہیں اور حضرت موسیٰؑ کو دودھ پلاتی رہیں۔

اور یوں اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت موسیٰؑ کی والدہ دایہ کی حیثیت سے محل میں آئیں اور اپنے بچے کو دودھ پلانے پر مامور کی گئیں۔ جب دو برس بعد آپؑ کا دودھ چھڑوایا تو حضرت آسیہؓ نے والدہ موسیٰؑ کو سونے سے لدا ہوا خچر، کئی اونٹ اور نفیس چیزیں تحفے میں دے کر رخصت کیا اور حضرت موسیٰؑ کی پرورش خود کرنا شروع کر دی۔

حضرت آسیہؓ نے حضرت موسیٰؑ کی تربیت و پرورش بہت شاندار انداز میں کی۔ جب حضرت موسیٰؑ شباب کے دور میں داخل ہوئے تو نہایت قوی الجثہ اور بہادر جوان نکلے چہرہ سے رعب ٹپکتا تھا۔ انکی گفتگو میں ایک خاص وقار اور شان عظمت ظاہر ہوتی تھی۔

جب حضرت موسیٰؑ کو نبوت ملی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نشانیاں دے کر فرعون کے دربار میں ۔ ۔ تو فرعون اور اسکے ساتھی حضرت موسیٰؑ کے دشمن ہو گئے انہی دنوں حضرت آسیہؓ فرعون اور موسیٰؑ کے بارے میں معلوم کرتی رہیں کہ کون غالب رہا تو ہمیشہ یہی سنتیں کہ موسیٰؑ غالب رہے یہ بات بھی ان کے ایمان لانے کا باعث بنی۔

قتادہؓ فرماتے ہیں کہ روئے زمین کے تمام تر لوگوں میں سب سے زیادہ سرکش فرعون تھا۔ لیکن اسکے کفر نے بھی اسکی بیوی کو کچھ نقصان نہ پہنچایا اس لئے کہ وہ اپنے ایمان پر پوری طرح قائم تھیں اور رہیں۔

حضرت آسیہؓ کا ایمان لانا

ان کے ایمان لانے کا واقعہ ابوالعالیہ اسطرح بیان فرماتے ہیں کہ فرعون کے داروغہ کی عورت ایک روز فرعون کی بیٹی کا سر گوندھ رہی تھی کہ اچانک کنگھی ہاتھ سے گر گئی اور انکے منہ سے نکل گیا کہ کفار برباد ہوں۔ اس پر فرعون کی بیٹی نے کہا کیا تو میرے باپ کے سوا کسی اور کو اپنا رب مانتی ہے اس نے کہا میرا اور تیرے باپ کا اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے میں اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ اس نے غصہ میں آکر خوب مارا پیٹا اور اپنے باپ کو اسکی خبر کر دی۔ فرعون نے انہیں بلا کر خود پوچھا کہ کیا تم میرے سوا کسی اور کی عبادت کرتی ہو۔ جواب دیا ہاں! میرا اور تیرا اور تمام چھٹنی ق کا رب اللہ ہے میں اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ فرعون نے حکم دیا کہ انہیں چت لٹا کر انکے ہاتھوں اور پیروں پر میخیں گڑوادیں اور سانپ چھوڑ دیے جائیں جو انہیں کاٹتے رہیں۔

پھر ایک دن فرعون آیا اور ان سے پوچھا کہ کیا اب بھی تیرے خیالات درست ہوئے یا نہیں؟ وہاں سے جواب ملا میرا تیرا اور تمام چھٹنی ق کا رب اللہ ہی ہے۔

فرعون نے کہا اب تیرے سامنے میں تیرے لڑکے کو ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا ورنہ اب بھی میرا کہا مان لے اور اس دین سے باز آجا۔ انہوں نے جواب دیا جو کچھ تو کرسکتا ہے کرڈال اس ظالم نے انکے بیٹے کو پکڑوایا اور انکے سامنے اسے مارڈالا۔ جب اس بچے کی روح نکلی تو اس نے کہا اے ماں خوش ہوجا تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے ثواب تیار کرر کھے ہیں اور فلاں فلاں نعمتیں تجھے ملیں گی۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے قتل کے روح فرسا سانحہ کو بچشم خود دیکھا لیکن صبر کیا اور راضی بہ قضا ہوکر بیٹھ گئیں۔ فرعون نے ایک بار پھر اسی طرح انہیں باندھ کر ڈلوادیا اور سانپ چھوڑ دیے۔ کچھ روز بعد فرعون پھر آیا اور اپنی بات دہرائی، خادمہ نے صبر واستقلال سے وہی جواب دیا اس نے پھر وہی دھمکی دی اور ان کے دوسرے بچے کو بھی ان کے سامنے قتل کرادیا۔ اسکی روح نے بھی اسی طرح اپنی والدہ کو خوش خبری دی اور صبر کی تلقین کی۔

فرعون کی بیوی حضرت آسیہؓ نے بڑے بچے کی روح کی خوش خبری سنی تھی۔ اب انہوں نے چھوٹے بچے کی بات بھی سن لی اور وہ ایمان لے آئیں۔ جب آپؓ ایمان لائیں تو پکار اُٹھیں میں موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر ایمان لاتی ہوں

فرعون کے ظلم وستم

فرعون کو جب ان کے ایمان لانے کے بارے میں معلوم ہوا تو اس نے انہیں ایمان کے راستے سے ہٹانے کیلئے ظلم وستم شروع کردیئے اور انہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا۔

حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ فرعون اس نیک بخت بیوی کو طرح طرح سے ستاتا سخت گرمیوں میں دھوپ میں کھڑا کردیتا لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعے پروں کا سایہ ان پر کردیتا اور انہیں گرمی کی تکلیف سے بچالیتا بلکہ انہیں انکے جنتی مکان بھی دکھادیتا جس سے انکی روح کی تازگی اور ایمان کی زیادتی ہوجاتی۔

موت کا فیصلہ

فرعون جب حضرت آسیہؓ کو سزائیں دے دے کر تھک گیا تو آخر کار ایک دن اس نے اپنے دربار میں اپنے تمام وزیروں، مشیروں کو اکٹھا کیا اور انہیں کہا کہ تمہیں کچھ میری بیوی کی خبر ہے؟ تم اسکے بارے میں جانتے ہو سب نے بڑی تعریف کی اور انکی بھلائیاں بیان کیں۔ فرعون نے کہا تمہیں نہیں معلوم وہ میرے سوا دوسرے کو اللہ مانتی ہے پھر مشورہ ہوا کہ انہیں قتل کردیا جائے۔

''اے میرے رب میرے لئے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اسکے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے'' (سورۃ التحریم)

فرعون نے انہیں ایک آخری موقع دیتے ہوئے کہا، اسے کہو اپنے اس عقیدے سے باز آجائے اگر باز آجائے تو میری بیوی ہے۔ عزت وحرمت کے ساتھ واپس لاؤ اور اگر نہ مانے تو پتھر کی سب سے بڑی چٹان اس پر گرادو اور اس کا قیمہ قیمہ کرڈالو۔

حضرت آسیہؓ نے جب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حجاب ہٹا کر انہیں ان کا جنتی مکان دکھادیا جس پر یہ ہنسنے لگیں اسی اثناء میں فرعون آگیا اور انہیں ہنستا دیکھ کر کہنے لگا لوگو تمہیں تعجب نہیں معلوم ہوتا کہ اتنی سخت سزا میں یہ مبتلا ہے اور پھر ہنس رہی ہے

حضرت آسیہؓ کی شہادت

جب حضرت آسیہؓ نے اپنے جنتی مکان کو دیکھ لیا ان کی

آنکھوں کے سامنے سے حجاب ہٹا لیا گیا تو اسی وقت ان کی روح پرواز کرگئی اور جس وقت ان پر پتھر پھینکا گیا انکے جسم میں روح تھی ہی نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا مردوں میں صاحب کمال بہت سے ہوئے ہیں مگر عورتوں میں کامل عورتیں چار ہیں جن میں ایک حضرت آسیہؓ بنت مزاحم ہیں جو فرعون کی بیوی تھیں (بخاری، مسلم)

اللہ ہم سب کو حضرت آسیہؓ جیسا پختہ ایمان عطا کرے آمین۔

نوٹ !اس مضمون کی تیاری کیلئے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی، تفسیر ابن کثیر، قصص الانبیاء، مولانا عبدالعزیز ہزاروی

☆☆☆

عبداللہ نے امتحان دیا

اچانک ہی صائم (میرا بیٹا) اور سبات (بہو) کو امریکہ جانا پڑ گیا۔ پروگرام تو یہ بنا کر آئے تھے کہ اب پاکستان ہی رہیں گے۔ چھٹیاں وہاں گزار کر سمسٹر اکتوبر میں واپس آ جایا کریں گے۔ اب انہیں 8 فروری کو امریکہ پہنچنا ضروری تھا جبکہ 12 فروری کو نوالہدیٰ کا کریسنٹ ماڈل سکول ٹیسٹ تھا جس میں کامیاب ہونے پر اس کا داخلہ پہلی جماعت میں ہونا تھا اور عبداللہ کا 15 فروری سے چہارم کا سالانہ امتحان شروع ہونا تھا۔ پریشانی بہت زیادہ تھی ،مختلف ایئر لائنز کی فلائٹیس دیکھیں کہ کوئی ایسی سیٹ مل جائے جو 6 فروری کو شکاگو پہنچا دے اور 10 فروری کو لاہور واپس لے آئے کافی حساب کتاب کے بعد اتحاد کی فلائٹ ایسی ملی جو یہ کام کر سکتی تھی چنانچہ پانچ فروری کو وہ دونوں بچوں کو گھر چھوڑ کر چلے گئے۔

سات فروری کی شام کو معلوم ہوا کہ ان کا جو کام 8 فروری کو ہونا تھا وہ اب پندرہ فروری ہو رہا ہے لہٰذا انکی واپسی میں تاخیر ہوگئی ہے۔ کریسنٹ ماڈل سکول کا اصول ہے کہ انٹرویو کے وقت بچے کے ساتھ ماں باپ بھی بیٹھتے ہیں تاکہ وہ دیکھیں کہ بچہ کتنے سوالوں کے جواب نہیں دے پایا۔ اب فیصلہ یہ ہوا کہ صائمہ (میری بیٹی) بھتیجی کے ساتھ جائے اور بتا دے کہ کس وجہ سے ماں باپ نہیں آ سکے۔ 12 تاریخ کو انٹرویو ہوا پہلے تو سکول والوں نے صائمہ کو ہی خوب سنائیں کہ بچے کا ٹسٹ ہو اور ماں باپ دونوں غائب ہوں یہ تو کبھی نہیں دیکھا نہ سنا۔ بہرحال انٹرویو ہوا اور اچھا ہو گیا، کافی امید ہوگئی کہ نورالہدی کا داخلہ ہو جائے گا۔

خیال تو یہ تھا کہ پندرہ فروری کو صائم کا کام ہو جائے گا ۔اگلے دن یہ لوگ واپس چل پڑیں گے اور بیس پچیس گھنٹوں کے بعد لاہور پہنچ جائیں گے، تب تک عبداللہ کے ایک دو ہی پرچے ہوئے ہوں گے باقی پرچوں کی تیاری سبات آ کر کروالے گی۔ مگر 13 فروری کو اطلاع آئی کہ کام اب 23 فروری کو ہونا ہے میں تو سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ پہلے عبداللہ نے ایک پوری ٹرم چھوڑی ہوئی تھی۔ سبات جب بچوں سمیت واپس پاکستان آئی تھی تو عبداللہ کے ایک دوست سے کاپیاں لے کر فوٹو کاپی کروا لی تھیں۔ جب امریکہ فون کر کے پوچھا کہ وہ فوٹو کاپیاں کہاں رکھی ہوئی ہیں کیونکہ امتحان تمام ٹرمز میں سے ہونا تھا تو جو جگہ سبات نے بتائی ،وہاں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں۔ عبداللہ کے دوست کے گھر فون کیا کہ اگر وہ کاپیاں دے دے تو دوبارہ کاپی کروالیں مگر اس کی والدہ نے معذرت کر لی کہ اس وقت ممکن نہیں۔

عبداللہ کو لے کر بیٹھی اور اس کی ڈیٹ شیٹ دیکھی، پہلا اسلامیات کا زبانی امتحان تھا۔ عبداللہ نے بتایا کہ تیسویں سپارہ کی پانچ سورتیں ہیں اور اسکے علاوہ بہت سے سوال جواب بھی ہیں۔ مجھے اندازہ تو تھا کہ عبداللہ کو پڑھانا مشکل

ہے مگر یہ نہیں پتہ تھا کہ اتنا مشکل ہے کہ وہ تو قابو ہی نہیں آتا۔
ناشتے کے بعد اسلامیات کی کتاب لے کر بیٹھی اور اس کے بلایا۔ کمرے میں آیا تو دونوں ہاتھوں میں گیند تھے۔
''عبداللہ بیٹھ جاؤ پہلے سورتیں یاد کر کے مجھے سناؤ پھر سوال جواب کر لیں گے۔''
''دادی ماں چار سورتیں تو یاد ہیں بس ایک نہیں آتی سورۃ التکاثر''
''اچھا پہلے یہی یاد کر لو پھر دوسری سنوں گی''میں نے پہلی آیت پڑھی اس نے دوسیری گیند اچھال کر سانے کی دیوار کو ماری۔
''دادی اماں پھر سے کہیں میں نے نہیں سنا''
میں نے اونچی آواز میں دہرایا، اب عبداللہ باری باری کبھی ایک گیند کو چھت پر مارتا کبھی دوسری کو مارتا اس کا دھیان میری طرف بالکل نہیں تھا میں خاموشی سے دیکھ رہی تھی ک کب وہ میری طرف دھیان دیتا ہے جب دس منٹ اسی طرح گزر گئے تو میں نے غصے سے کہا ''تم سن کیونہیں رہے؟''میں نے زور دے کر کہا وہ میرے قریب بیٹھ گیا میں نے پہلی آیت دوبارہ پڑھی اس نے دہرائی مگر بہت سے لفظ بھولے۔ میں نے پھر دہرائی اس نے پھر سنانے کی کوشش کی مگر دھیان کیونکہ گیند کی طرف تھا، پھر بہت سے لفظ چھوڑ دیئے۔ میں نے پھر دہرائی، اس نے میری طرف سے دھیان ہٹا کر پھر گیند سامنے کی دیوار کو ماری جو سیدھی واپس آ کر میرے سر پر لگی۔ میں نے غصے سے دیکھا اور دوسری گیند بھی پکڑ لی۔ اب دونوں گیندیں میرے پاس تھیں اور مجھے امید سی تھی کہ اب شاید یہ میری طرف دھیان دے گا
''دادی اماں مجھے پیاس لگی ہے'' اور میرے جواب دینے سے پہلے یہ کمرے سے باہر تھا۔ کافی دیر انتظار کیا عبداللہ آیا ہی نہیں۔ میں نے کام والی بچی زینب کو بلایا
''عبداللہ کہاں ہے؟''میں نے پوچھا
''جی وہ تو صائمہ باجی کے گھر چلا گیا ہے''
بیٹی اور بیٹے کے گھر بالکل ساتھ ساتھ ہیں بیچ کی دیوار نکال دی ہے چنانچہ دونوں گھر اندر سے ایک ہی ہو گئے ہیں
''جاؤ اسے بلا کر لاؤ''میں نے کہا۔ کافی دیر گزر گئی نہ زینب آئی نہ عبداللہ۔ میں نے کتاب میز پر رکھی اور صائمہ کے گھر گئی دیکھا کہ زینب سمیت سب کمپیوٹر کے اردگرد بیٹھے کارٹون دیکھ رہے ہیں۔ زینب کو ڈانٹا اور عبداللہ کو کان سے پکڑ کر گھر لائی اور پاس بٹھایا۔ پہلی آیت پھر پڑھی اور اسے سنانے کو کہا۔ اب بھی غلطیاں تھیں مگر کم۔
''چلو دس دفعہ دہراؤ تو پھر دوسری آیت شروع کریں''میں نے کہا
''نہیں دادی اماں پانچ مرتبہ''
''چلو پانچ مرتبہ سہی''
''نہیں دادی اماں تین مرتبہ''
''نہیں اگر بغیر غلطی کے سناؤ کے گے تو تین مرتبہ ورنہ پانچ مرتبہ''
تیسری مرتبہ میں پھر غلطی ہوگئی''اب دو مرتبہ اور''میں نے کہا
''مجھے پیاس لگی ہوئی ہے''اور ساتھ ہی چھلانگ لگا کر یہ جا وہ جا۔ میں پھر انتظار کرنے لگی۔ جب کافی دیر تک نہ آیا تو پھر زینب کو آواز دی''عبداللہ کہاں ہے وہ پانی پینے گیا تھا پھر آیا ہی نہیں''
''جی وہ تو صائمہ باجی کے گھر چلا گیا ہے''

''اسے کہہ دو میں تمہارے ابو کو فون کرنے لگی ہوں اب Pad I نہیں آئے گا'' صائم نے جانے سے پہلے عبداللہ کو لالچ دیا تھا کہ اگر وہ فرسٹ آ گیا تو Pad I ملے گا یہ Pad I عبداللہ کی کمزوری تھی۔

دو منٹ میں عبداللہ ہانپتا میرے پاس بیٹھا تھا۔ مجھے سمجھ نہ آئی کہ یہ ڈرا واصبح کیوں نہ دیا۔ اب تک پوری سورت یاد ہو جاتی

''دادی اماں جلدی کریں ابھی باقی بھی بہت کچھ ہے جو یاد کرنا ہے''

''چلو دوسری آیت شروع کرو'' میں نے دو تین دفعہ پڑھا پھر اس کو سنانے کو کہا، وہ بہت جگہ اٹکا۔

''میں تمہیں کاغذ پنسل دیتی ہوں زرتم پانچ بار دیکھ کر لکھو تا کہ بھولے نہ''

میں نے مڑ کر کاپی اٹھانے کی کوشش کی ایک گلابی ہیولا سا میری آنکھوں کے سامنے سے اوپر چھت کی طرف گیا۔ میں نے گھبرا کر اوپر دیکھا پیازی کپڑوں والی 'باربی گڑیا' چھت سے ٹکرا کر میری گود میں آ گری۔ اس نے کب گڑیا پکڑی کب اچھالا مجھے بالکل نہیں پتہ چل سکا میں نے غصے میں اسے دیکھا اس نے سر جھکا لیا، اب میرے پاس اس کی تین چیزیں اکٹھی ہو گئیں۔ گھڑی دیکھی عصر کا وقت ہو چکا تھا۔

''عبداللہ یہ سورت کب ختم ہو گی'' میں نے اونچی آواز میں کہا

''دادی جان ہو جائیگی آپ اونچی اونچی آواز میں پڑھیں'' اس نے مشورہ دیا۔ سب کچھ یاد کرنے والا پڑا تھا ۔ بہت مشکل سے لکھا لکھا کر مغرب تک یاد کروایا۔

مغرب کی نماز پڑھی تو سبات skyp پر آ گئی۔

''خالہ جان عبداللہ کی تیاری ہو گئی ہے؟'' اس نے پوچھا

''ابھی تک ایک ہی سورت التکاثر ہوئی ہے''

''التکاثر'' اس نے حیرانی سے پوچھا

''کیوں کیا بات ہے؟'' میں اس کی حیرانی پر خود بھی حیران ہوئی

''یہ تو کورس میں ہے ہی نہیں یہ اس نے کیوں یاد کی ہے وہ تو سورۃ البلد تھی جو اس کو نہیں آتی تھی میں نے سوچا تھا کہ آخری دنوں میں کروالوں گی۔''

میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی ''وہ تو لمبی ہے وہ کب یاد ہو گی اور باقی چیزوں کی باری کب آئے گی'' مجھے پریشان دیکھ کر سبات فوراً بولی

''آپ بالکل فکر نہ کریں عبداللہ سے کہیں کاپی اور کتاب لے کر آ جائے میں اسے یاد کرا دیتی ہوں''

میں جلدی سے عبداللہ کے کمرے میں آئی وہ رنگدار پنسلیں لے کر ایک درخت کی تصویر بنا رہا تھا جس پر گھونسلے اور پرندے تھے۔

''فوراً اسلامیات کی کاپی اور کتاب لے کر امی کے پاس جاؤ وہ اب تمہیں پڑھائیں گی''

''میں نے امی سے نہیں پڑھنا'' اس نے صاف جواب دے دیا

''سارا دن میرا سر چاٹا ہے اب امی کا بھی چاٹو'' میں نے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا وہ منہ بسورتا کتاب اور کاپی لے کر کمپیوٹر کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گا۔ ماں بیٹا ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے میں

اپنے کمرے سے جلدی سے باہر لاؤنج کی طرف گئی، سبات کا چہرہ غصے سے لال نظر آ رہا تھا مجھے دیکھ کر سبات نے کہا ''خالہ جان میں کس قدر بے بس ہوں کہ عبداللہ کو تھپڑ نہیں مار سکتی''

''کیا ہوا تھپڑ میں مار لیتی ہوں۔مگر تم تھپڑ کی وجہ تو بتاؤ'' عبداللہ مجھے دیکھ کر چپ تھا۔

''جب اسے کہتی ہوں کہ سوال کا جواب سناؤ تو کہتا ہے مجھے آتا ہے اور جواب نہیں دیتا'' میں پاس ہی بیٹھ گئی۔اب یہ ہوا کہ عبداللہ کی انگلیاں 'کی بورڈ' پر تھیں اور ساتھ ساتھ گیم چلا کر کھیل رہا تھا

''عبداللہ گیم بند کرو اور میرے سوال کا جواب دو'' وہ ایک منٹ کیلئے بند کرتا جونہی دوسرا تیسرا سوال شروع ہوتا گیم پھر چل پڑتی

''بس Pad ا ختم بالکل نہیں آئے گا یہ اتنا ستا رہا ہے'' میں نے کہا

گیم فوراً بند ہوگئی اور پوری توجہ سبات کی طرف ہوگئی اتنے میں عشاء کی آذان ہوگئی ''چلو پہلے نماز پڑھ لو پھر دوبارہ پڑھنا شروع کریں گے۔'' سبات نے کہا۔ میں بھی نماز پڑھنے چلی گئی۔

لاؤنج میں بہت خاموشی تھی، نماز کے بعد میں عبداللہ کے کمرے میں گئی وہ بستر پر گہری نیند سویا ہوا تھا۔تھوڑی دیر کے بعد سبات دوبارہ skyp پر آئی تو میں نے اسے بتا دیا کہ عبداللہ سو چکا ہے بغیر کچھ کھائے پیئے ''سبات اب میں الارم لگاتی ہوں صبح چار بجے اسے جگا کر باقی کا پڑھا دوں گی''

میں نے یہ دیکھا تھا کہ 24 گھنٹوں میں سے صرف فجر کا ٹائم ایسا ہوتا ہے جب یہ لڑکا خاموشی سے پڑھتا ہے۔

امتحان دے کر آیا تو خوشی سے کہہ دیا کہ امتحان بہت اچھا ہوا ہے۔''کونسی سورت ٹیچر نے پوچھی تھی؟'' میں نے پوچھا

''ٹیچر نے کہا تھا جو آپ کو سب سے زیادہ اچھی آتی ہے وہ سنا دو'' اس نے ہنس کر کہا

''چلو پہلے کھانا کھا لو پھر ظہر کی نماز کے بعد اردو کی تیاری شروع کریں'' میں نے کہا

''دادی اماں عصر تک بریک'' اس نے جوتے اتارتے ہوئے کہا

''نہیں ظہر تک بس!'' میں نے حتمی فیصلہ دے دیا۔وہ چپ ہوگیا

ظہر کے بعد پھر وہی کہانی شروع ہوگئی کبھی جوس پینے اٹھ جاتا کبھی کمپیوٹر لگا لیتا بہت مشکل سے ڈانٹ ڈپٹ کر قابو کیا اور کتاب کھولی پہلا ہی مضمون تھا کہ کسان آم کیسے بوتا ہے۔''پہلے بیج بوتے ہیں پھر پانی دیتے ہیں کچھ دنوں کے بعد چھوٹا سا پودا اُگ آتا ہے پھر کیریاں بنتی ہیں پھر آم تیار ہو جاتا ہے'' میں نے پڑھ کر سنایا ''سمجھ آ گئی''

''جی'' جواب ملا۔

''شاباش چلو پھر بتاؤ آم کیسے تیار ہوتا ہے؟''

''پہلے بیج بوتے ہیں پھر لوٹے سے پانی دیتے ہیں پھر زمین سے بکریاں نکل آتی ہیں''

''ہیں ہیں یہ کیا لوٹا اور بکریاں کہاں سے آ گئی ہیں؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا

''وہ آپ ہی نے تو کہا تھا'' اس نے معصومیت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے بکریاں کہا تھا کہ کیریاں کہا تھا''

''ایک ہی بات ہے دونوں میں ہی یاں ہے'' اس نے

اپنی طرف سے بہت عقل استعمال کی

''یہ اردو ہے فصیح و بلیغ زبان تمہاری انگریزی نہیں جس میں چند لفظ ہیں۔ آپ، تو ،تم ، سب کیلئے ایک ہی لفظ you ہے''میں نے غصے سے کہا

مغرب کے بعد سبات skyp پر آ گئی چنانچہ ماں بیٹا دونوں پڑھائی کرنے لگے جو پڑھائی کم تھی اور لڑائی زیادہ، جو رہ گیا وہ میں نے فجر کو پڑھایا۔

خالی جگہ پُر کرو میں ایک لفظ احسان تھا' اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں پیدا کیا۔لفظ 'احسان' اسکو نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اس کو کوئی دس مرتبہ لکھوایا۔ دل میں بار بار خیال آ رہا تھا کہ ہمارے بچے امریکہ جا کر اپنی زبان سے کتنے دور ہو جاتے ہیں۔امتحان دینے چلا گیا جب واپس آیا تو کچھ پریشان سا تھا

''پرچہ کیسا ہوا؟''میں نے پوچھا

''دادی اماں آپ نے جو لفظ مجھے بار بار لکھوایا تھا وہ پرچہ میں آ گیا تھا''اس نے کہا۔

مجھے پکا یقین تھا کہ وہ لفظ احسان ہوگا۔''احسان تھا؟ تم نے لکھا؟''میں نے پوچھا

''ہاں یہی لفظ تھا''اس کے چہرے پر مایوسی تھی۔

''تمہارا اللہ ہی حافظ ہے نہ جانے اس مرتبہ دادی کی کتنی سبکی ہوگی جب پوتا صاحب فیل ہو جائیں گے۔''میں خود بہت مایوس ہوگئی۔

''کل کس مضمون کا امتحان ہے؟''میں نے پوچھا

''انگلش کا، اب یہ سب آسان مضمون ہوں گے''اس نے چہک کر کہا انگلش، حساب، سوشل سٹڈی، سائنس کیونکہ یہ تمام مضمون انگلش میں تھے اس لئے اس کو آسان لگتے تھے۔

یہ سارے مضمون اس نے خود پڑھے اور کیا کیا مجھے کچھ پتا نہ تھا شام کے بعد سبات skyp پر آتی دونوں ماں بیٹا پڑھتے کم جھگڑتے زیادہ۔اسی دوران یہ کرسی پر سو جاتا میں جگا کر بستر پر لے جاتی یہ صبح کیا پڑھتا کچھ معلوم نہیں اور امتحان دینے چلا جاتا واپس آتا تو خوش ہوتا

''اچھا ہو گیا ہے''یہی اس کا مخصوص فقرہ ہوتا۔ دو ہفتے کے بعد رزلٹ تھا۔سبات اور صائم ابھی تک نہیں پہنچے تھے کام تو ہو گیا تھا مگر اب سیٹیں نہیں مل رہی تھیں۔

رزلٹ کے دن عبداللہ بہت مطمئن تھا۔ تیار ہو کر چلا گیا۔ میں وضو کر کے جائے نماز بچھا کر نماز حاجت پڑھنے لگی۔ اللہ سے دعا کی اچھے نمبروں سے پاس ہو جائے۔ ساڑھے نو بجے بل ہوئی اور ہوتی چلی گئی۔اس کی عادت تھی جب تک کوئی گیٹ نہ کھولے یہ بل سے ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ زینب اور میں دونوں گئے زینب تو بھاگ کر گئی میں نے بھی جلدی جلدی قدم اٹھائے۔گیٹ کھولا،عبداللہ نے خوشی کا نعرہ مارا''دادی اماں Pad I ہو گیا''میں نے جھک کر اس کا ماتھا چوما۔ دوبارہ جا کر جائے نماز بچھایا اور شکرانے کے نفل ادا کرنے لگی۔

☆☆☆

بخیلوں کے قصّے

کیا آپ نے کبھی بخیل دیکھا ہے؟

ناراض کیوں ہوگئے؟ ہم نے آپ سے آئینہ دیکھنے کے بارے میں نہیں پوچھا، اگرچہ کبھی آئینے میں بھی بخیل نظر آجاتا ہے ہوسکتا ہے آپ نے گردوپیش کی دنیا میں بھی کئی بخیل دیکھے ہوں، کئی بخلاء سے پالا پڑا ہو۔

بخل اور بخلاء اسلامی معاشرے میں ہمیشہ غیر مقبول رہے ہیں، اسکی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ قرآن میں بخل کی مذمت کی گئی ہے اور انفاق اور جود وکرم پر ابھارا ہے، اور قرآن کریم کی سورۃ کا نام ''الماعون'' انہیں لوگوں کی تصویر کشی کرتا ہے جو خودغرضی کی انتہا پر ہیں اور معمولی چیزیں بھی برتنے کیلئے نہیں دیتے۔ رسول ﷺ خود بھی جود وعطا تھے اور اسی کی ترغیب بھی دیتے تھے، حتیٰ کہ سالن کا شوربہ بڑھا لینے کی بھی تلقین کی کہ جسے گوشت نہ مل سکے اسے شوربہ مل جائے، نیا کپڑا بنانے پر پرانا صدقہ کردینے کی تعلیم دی۔

بخیل کسی شخص کا نام نہیں بلکہ ایک رویے کا نام ہے، اور اسکی کئی صورتیں اور انداز ہیں بخیل کا کوئی مذہب ہے نہ وطن ۔۔ بلکہ ہر دور اور ہر مقام پر اسکے حصے میں تمسخر اور تضحیک ہی آئی ہے۔ ہم آپ کو آج کے بخیل سے نہیں ملواتے، مبادا ہمارے کئی ''اپنے'' کردار مماثلت دیکھ کر ہم سے ناراض ہوجائیں، بلکہ ہم آپکو صدیوں پرانے بخلاء سے ملواتے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے جب دولت کی ریل پیل تھی اور اسلامی دنیا کی سرحدیں دور دور تک پھیل چکی تھیں۔ اور اسے سلطنتِ عباسیہ کا سنہری دور کہا جاتا تھا، اور بخلاء کے یہ نوادر لکھنے والا کوئی ہنسوڑ نوجوان نہیں بلکہ تقریباً نوے کی دہائی کا عمر رسیدہ بوڑھا ''الجاحظ'' ہے، جس نے بال دھوپ میں نہیں تقریباً تین سو کتابیں تصنیف کر کے سفید کئے تھے، جس کی آنکھیں پھولی ہوئی، بدن فالج زدہ اور پستہ قد تھا، مگر اس نے وہ کچھ دیکھا جو عقابی آنکھ والے، تنومند، دراز قد بھی نہیں دیکھ سکتے، اور اس ہنسی کھیل میں معاشرے کے زخم بھی دکھلا دیے۔

☆۔ یہ ایک مرزوی ہے (ایک مقام ''مرو'' کا رہنے والا) جب بھی چھنکی ن اسکے پاس آتا ہے وہ کافی انتظار کروانے کے بعد پوچھتا ہے، آپ کھانا کھا کر آئے ہیں؟ اگر چھنکی ن کہے کہ جی ہاں، تو وہ کہتا: اگر آپ کھانا نہ کھا کر آئے ہوتے تو میں آپ کو اچھا کھانا کھلاتا او چھنکی ن کہے کہ میں کھانا کھا کر نہیں آیا (آپ سوچ رہے ہوں گے، واہ بخیل بھائی، کیسی رہی! مگر نہیں) تو وہ کہتا ہے: ''اگر آپ کھانا کھا کر آتے تو میں آپ کو زبردست مشروب پلاتا، پورے پانچ گلاس۔''

☆۔ یہاں بھی ابی کریمہ کے ہاں ایک چھنکی ن ٹھہرا ہے، اور وہ چھنکی ن کو اپنے لوٹے سے وضو کرتے دیکھ لیتا ہے، تو کہتا ہے کہ: سبحان اللہ! تم کھگ پانی سے وضو کر رہے ہو، اورکھاری پانی کا کنواں قریب ہی ہے چھنکی ن تصحیح کرتا ہے: میں تو کنویں کے پانی ہی سے وضو کر رہا ہوں۔ تو وہ فوراً ہی بول

اٹھتا ہے یعنی تم کھاری پانی سے میرے لوٹے کو خراب کر رہے ہو۔ اور چھنکی ن کی حالت ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' کی سی ہوتی ہے یعنی چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

☆۔ کہتے ہیں کہ ایک بخیل ہر سال حج پر جاتا، اور اسی سفر میں تجارت بھی کرتا، راستے میں وہ ایک عراقی کے ہاں قیام کرتا، وہ اسکی خوب آؤ بھگت کرتا، بلکہ کچھ زادراہ بھی دیتا، اور چھنکی ن ہر بار اسے یہی کہتا: کاش آپ بھی کبھی مرو (اسکے شہر) آئیں۔ پھر میں بھی آپ کی خوب تواضع کروں، میں بھی آپ کا قدیم احسان چکاؤں، آپ نے تو سر سے پاؤں تک مجھے احسان مند کر دیا ہے۔ یہاں میں کیا کر سکتا ہوں، اللہ نے آپ کو ہر شے سے بے نیاز کر رکھا ہے۔

بہت عرصہ کی اسی طرح کی آؤ بھگت کے بعد عراقی کو مرو میں کسی کام کے سلسلے میں جانا پڑ جاتا ہے۔ مگر اسے کیا پریشانی، وہ مطمئن ہے، مرو میں اسکا عزیز دوست موجود ہے، جو سفر کی تھکان اور ہر تکلیف کو دور کرنے کیلئے کافی ہے، وہ بہترین لباس، ٹوپی اور عمامہ زیب تن کرتا ہے اور عازم سفر ہوتا ہے، وہاں پہنچ کر دیکھتا ہے کہ اسکا دوست اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہے وہ آگے بڑھتا ہے اور اسکے گلے لگ جاتا ہے لیکن یہ کیا ؟ برسوں پرانے یار کے چہرے پر شناسائی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں آتی، گویا وہ اسے پہچانتا ہی نہ ہو، بلکہ وہ اس سے حال احوال بھی نہیں پوچھتا، عراقی حیران ہے، دل میں سوچتا ہے کہ شاید میرے قناع کی وجہ سے نہیں پہچان رہا، پس اسے اتار پھینکتا ہے اور امید سے اسکی جانب دیکھتا ہے ،مگر دوسری جانب وہی اجنبیت ہے، پھر وہ اپنا جائزہ لیتا ہے، یہ مجھے کیوں نہیں پہچان رہا، ہوں! شاید یہ عمامے کی وجہ سے نہیں پہچان سکا، وہ عمامہ بھی اتار دیتا ہے، اور مسکرا کر پوچھتا ہے، اب پہچانا، دوست پھر انکار کر دیتا ہے، عراقی پھر سوچ میں پڑ جاتا ہے، شاید ٹوپی کی وجہ سے نہیں پہچان رہا، سو وہ ٹوپی بھی اتار دیتا ہے۔ اور دوست بھی جان گیا کہ اب کوئی چیز ایسی نہیں رہی جسے اتار کر یہ شناخت کروائے، اور وہ غافل بنا رہے، اس لئے وہ کہتا ہے: ''اگر تم اپنی چمڑی بھی اتار دو تو بھی میں تمہیں نہیں پہچان سکتا'' (مرو میں پہچان لینے کے معنی ضیافت اور برسوں کا حساب چکانے کے ہیں!!)

☆۔ یہ والیٔ فارس ہیں، اپنے حساب کتاب میں مشغول ہیں، تھکاوٹ انکے چہرے سے نظر آ رہی ہے، اچانک ایک شاعر دربار میں آجاتا ہے، اور والیِ کی مدح میں شعر سناتا ہے، اور انکی خوب عزت افزائی کرتا اور شان بڑھاتا ہے۔ جب سنا چکتا ہے تو والیِ صاحب کہتے ہیں، بہت خوب، دل خوش کر دیا، پھر کاتب کی جانب متوجہ ہو کر کہتے ہیں: اسے دس ہزار درہم دے دو، شاعر اتنا بڑا انعام سن کر ہی بے ہوش ہونے لگتا ہے، جب وہ اس کا یہ حال دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں، اگر یہ اس سے اتنا خوش ہوا ہے تو اسے بیس ہزار درہم کر دو، شاعر تو خوشی سے آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ وہ اس قدر خوش ہو رہا ہے، تو نیا حکمنامہ جاری کرتے ہیں: چلو اسے چالیس ہزار دے دو، شاعر تو خوشی سے مرنے والا ہو جاتا ہے۔

جب حالت ذرا بہتر ہوتی ہے تو کہتا ہے۔ آپ، میں آپ پر فدا ہو جاؤں، آپ کتنے مہربان انسان ہیں، مجھے معلوم ہے ہر بار میری خوشی پر آپ نے انعام کی رقم بڑھا دی، اور اگر میں یہ قبول نہ کروں تو بڑی ناشکری ہوگی، پھر وہ دعا دے کر رخصت ہو جاتا ہے۔

اسکے جانے کے بعد کاتب والی سے کہتا ہے: سبحان

اللہ!! یہ شخص چالیس درہم سے خوش ہو جاتا اور آپ نے اسے چالیس ہزار درہم دے دیئے؟ وہ جواباً کہتا ہے: تم اسے یہ سب دینا چاہ رہے ہو؟ کاتب بولا: آپ کا حکم ہے، نافذ تو کرنا پڑے گا۔ والی کہنے لگا: او احمق، اس شخص نے ہمیں باتوں سے خوش کیا۔ اور ہم نے بھی اسے باتوں سے خوش کر دیا، وہ جب ہمیں چاند سے بڑھ کر حسین، شیر سے زیادہ طاقتور اور تلوار سے بڑھ کر کاٹ دار گفتگو والا، کہہ رہا تھا، اور یہ کہ ہمارا حکم تیر سے بھی تیزی سے نافذ ہو جاتا ہے تو کیا وہ سچ کہہ رہا تھا؟ ہم بھی جانتے ہیں وہ جھوٹ کہہ رہا تھا۔ اور اس کے باوجود اسکی جھوٹی مداح سرائی سے خوش ہو گئے، اور ہم بھی اسی طرح انعامات کے احکامات جاری کر کر کے اسے خوش کرتے رہے، خواہ وہ جھوٹے احکامات ہی کیوں نہ ہوں، بس جھوٹ بمقابلہ جھوٹ چل گیا، اگر جھوٹ بمقابلہ سچ اور قول بمقابلہ فعل ہو گیا تو یہ بڑے گھاٹے کا سودا ہو گا۔

☆۔ جاحظ انہیں تجربات میں اپنی داستانِ غم بھی سناتا ہے، کہتا ہے ایک رات عشاء کی نماز جامع مسجد میں ادا کی، واپسی پر بینتے ظ نقاش بھی میرے ساتھ تھا، اسکا گھر مسجد سے میرے گھر کی نسبت قریب تھا، اس نے مجھے پیش کش کی کہ میں رات اسی کے ہاں گزار لوں، کہنے لگا: اس بارش اور ٹھنڈ میں کہاں اتنی دور جاؤ گے، میرے گھر کو اپنا گھر ہی سمجھو، اس تاریکی میں تمہارے پاس تو راستے کیلئے روشنی تک نہیں ہے، اور آج میرے ہاں ''لبأ'' (گائے وغیرہ کے ہاں ولادت کے بعد پہلا دودھ جسے ہمارے ہاں بوہلی کہا جاتا ہے) بھی ہے، ایسا مزے دار شاید تم نے زندگی بھر نہ پیا ہو، اور بڑی عمدہ قسم کی کھجوریں بھی ہیں، بس وہ تو تمہارے لئے ہی ہیں میں اسکے ساتھ چلا گیا، ایک گھنٹہ انتظار کے بعد وہ آیا تو اسکے ہاتھ میں لبأ کا پیالہ اور کھجوروں کا طبق تھا، میں نے جونہی ہاتھ بڑھایا وہ بولا: اے ابا عثمان (جاحظ کی کنیت) لبأ تو بہت ثقیل ہوتا ہے، دیکھ لو، رات لمبی ہے اور ہر جانب سناٹا ہے، اور پھر بارش بھی ہو رہی ہے، تم عمر رسیدہ انسان ہو اوپر سے ایک حصہ پہلے ہی فالج سے شل ہو چکا ہے، اور تمہیں پیاس بھی بہت شدید لگتی ہے، تمہیں تو رات کے کھانے سے پرہیز ہی کرنا چاہیے، اگر تم نے پینا شروع کر دیا اور ختم نہ کر سکے تو یہی کہو گے کہ کاش میں اسے جھوٹا نہ کرتا، اور نہ پیتے بنتی ہے نہ چھوڑتے۔ اگر تم نے لبأ پی لیا، اور ہضم نہ کر سکے تو یہی کہو گے کہ کاش میں نے نہ پیا ہوتا، اور کبھی کسی چیز کی اشتہا کے بعد اسکا نہ کھانا زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے، اور اگر کھا لو تو رات ہی بری گزرتی ہے، آگے تمہاری مرضی، جیسے تم کہو ایک بات ہے ہم تمہارے ہاضمے کیلئے نبیذ یا شہد بھی مہیا نہ کر سکیں گے، میں یہ سب کچھ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کہیں کل کو تم یہ نہ کہو کہ مجھے یہ ہوا، یہ ہوا، خدا کی قسم میں تو شیر کے منہ میں آ گیا ہوں، کیونکہ اگر میں تمہیں خود نہ لایا ہوتا، اور خود ہی تمہیں پیش کش نہ کی ہوتی، تم یہی کہتے کہ میں نے بخل کیا ہے۔ اور میں دونوں طرح ہی سے بری الذمہ ہوں۔ اگر تم چاہو تو کھاؤ اور موت کو دعوت دو، اور اگر چاہو تو ان احتمالات کو پیش نظر رکھو اور بلا کھائے پیئے سکون کی نیند سو جاؤ۔

جاحظ کہتا ہے کہ اس رات میں جس قدر ہنسا کبھی نہیں ہنسا میں نے سب کچھ کھا پی کر چٹ کر دیا، اور میری ہنسی، نشاط اور سرور نے سب ہضم کروا دیا، اگر میرا کوئی ہم نشین اس رات ساتھ ہوتا تو وہ بھی خوب مزا لیتا لیکن اس رات جو اکیلا ہنسنے میں مزا آیا شاید دوستوں کے ساتھ مل کر بھی نہ آتا۔

(بخلاء کے قصے (''کتاب البخلاء'') الجاحظ سے اخذ کئے گئے)

☆☆☆

مسجد نبوی کے اندر

رات کو جلد سونے اور صبح جلدی اٹھنے میں جہاں فائدے بے شمار ہیں وہاں کچھ نہ کچھ نقصان بھی ہیں۔ مثلاً اگر کبھی کہیں پر رات کو دیر تک جاگنا پڑے تو سارا نظام خراب ہوجاتا ہے۔ دن میں سونے کی عادت نہیں تھی اب سونا چاہوں تو کروٹیں بدل کر اٹھ جاتی ہوں۔ دو دن مسلسل جاگنے اور نیند نہ لے سکنے سے صحت خراب ہوجاتی ہے۔ حتیٰ الامکان کوشش یہی ہوتی ہے کہ ایسی تقریبات پر نہ ہی جاؤں جہاں رات کو جاگنا پڑے۔

یہاں آکر یہی مسئلہ رہا۔ اسکا حل یہ نکالا کہ جہاں یہ خطرہ پیدا ہوتا کہ اب مسلسل جاگتے ہوئے اٹھارہ بیس گھنٹے گزر چکے ہیں وہاں خواب آور گولیاں لے لیتی۔ مسجد نبوی میں پہلے جمعۃ المبارک کو دو دفعہ ریاض الجنتہ میں جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اگلے دن شازیہ (پیر محل) کا فون آیا۔ وہ واپس مکّہ پہنچ چکی تھی کہ

''باجی آپ ریاض الجنتہ گئیں؟''

''کل دو دفعہ گئی تھی آج دوپہر میں جانے کا ارادہ ہے'' میں نے کہا۔

''باجی ایک دفعہ ہی جایا کریں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

بظاہر یہ بات چھوٹی سی مگر بہت بڑی تھی۔

کہاں محبوبِ خدا کا روضہ اور کہاں یہ سیاہ کار خطا کار۔

ان کی زندگی میں انکے گھر روزانہ جانے کا حوصلہ کتنی صحابیات اپنے اندر پیدا کرتی ہوں گی۔

میں بات کی تہہ تک پہنچ چکی تھی۔ سو خاموش رہی اور اگلے دن سے بس ظہر کے بعد جانے کا طے کرلیا۔ جتنے دن ریاض الجنتہ میں جانے کا اعزاز حاصل ہوا اسی وقت ہوا۔ اگلے جمعہ کو پھر صبح کے وقت جانے کا پروگرام بنالیا خیال تھا کہ گھر واپس جاکر کیا کرنا ہے۔ مسجد نبوی میں رہنا ہے تو ریاض الجنتہ میں باری لگواتے ہیں۔

حسب سابق وہی گروپ تشکیل دیئے گئے۔ لے کر جانے اور حب نبی ﷺ کے تقاضوں سے آگاہ کرنے کیلئے ذمہ داران آئیں چونکہ میں صبح کے وقت نہیں آتی تھی لہٰذا آج جو ذمہ دار خاتون تھیں ان کے لب ولہجہ اور سیاق وسباق سے پاکستان کی ایک مذہبی جماعت کا رنگ صاف جھلک رہا تھا۔ فقہی مسائل پر بات ہورہی تھی۔ نماز کو ادا کرنے کا ان کے اپنے مسلک والا طریقہ احرام باندھنے کیلئے اور اسے قائم رکھنے کیلئے ان کے اپنے فقہی مسلک کا غلبہ تھا۔ الغرض وہ خاتون بہت جاندار لہجے میں خواتین کو تبلیغ کررہی تھیں۔ ان کی ایک بات سے مجھے اختلاف ہوا۔ ہر چند کہ حج کے دوران میں اختلاف رائے سے بچنا چاہتی تھی۔ لیکن اپنے مسلک کو برتر اور دوسرے مسالک کو ''حرام'' قرار دینا بھی تو برداشت نہیں تھا۔

جونہی میں نے دبادبا سا احتجاج کیا انہوں نے مجھے بغور دیکھا۔ اور کچھ ناپسندیدہ لہجے میں میرے حق کو غلط قرار دیا ''آپ کون ہیں اور آپ اس معاملے میں کیا جانتی ہیں'' انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔

''میں چھوٹی سی ایک مصنفہ ہوں'' میں نے اپنا تعارف پیش کیا۔

''کیا لکھتی ہیں؟''

''کہانیاں، افسانے'' میں نے جواب دیا۔

''اُف'' اسکے بعد انہوں نے افسانے کہانیوں کو غیر اسلامی اور حرام قرار دینے کیلئے دلائل دیئے اور خوب گھن گرج کے ساتھ دیئے۔ وہ ہر لحاظ سے میرے لئے افضل و برتر تھیں لیکن مجھے جواب تو دینا ہی تھا۔ میں نے کہا۔

''آپ اس بات کا جواب دیں کہ عصمت وعزت کی حفاظت کیلئے اصول دینے کی بجائے اللہ نے آدھے پارے سے زیادہ کی سورۃ یوسف قرآن کے نصاب میں کیوں شامل کی؟ قرآن میں اس کو احسن القصص کیوں کہا گیا۔''

''نہیں جو غلط ہے وہ غلط ہے۔'' قطعیت سے کہا گیا۔

اس کے بعد میں تو خاموش رہی لیکن دس بارہ منٹ انہوں نے میرے گاؤن سے میری وابستگی کا اندازہ لگا کر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کیا۔ ان کے ہر سوال کا جواب میرے پاس تھا لیکن اپنے نبی ﷺ کے اسوہ کو پڑھنے کے بعد ان ﷺ کے گھر پر مجھے دلیلوں کی جنگ ٹ ٹ رنہ تھی۔ میں خاموشی سے اٹھ کر دوسرے برآمدے میں جا کر بیٹھ گئی۔ میرے ساتھ کچھ اور خواتین بھی تھیں جو اس سارے معاملے کو دیکھنے اور پرکھنے کے بعد بے حد دکھی تھیں۔ ریاض الجنتہ جانے کیلئے ابھی بہت دیر باقی تھی فیصل آباد کی ایک پروفیسر آہستہ سے بولیں۔

''ہم جیسے چکی کے دو پاٹوں میں پس جاتے ہیں کس کو غلط سمجھیں کس کو صحیح؟''

میں نے بسم اللہ پڑھ کر جو معمولی سی شد بد مجھے اس موضوع پر تھی وہ اسوہ رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے حوالے سے درس قرآن کی شکل میں ان کے گوش گزار کردی۔ درس ختم ہوا تو میرے اردگرد کم ازکم سوایک خواتین تھیں جو بہت غور سے سب سن رہی تھیں۔ اللہ نے اس کے بعد مسجد نبوی کے صحن میں اجتماعی دعا کی بھی توفیق دی۔ اس کے فوراً بعد ریاض الجنتہ میں جب جانے کی سعادت حاصل ہوئی تو یہ وہ سعادت تھی جس پر ہر عورت حیران تھی۔ خدا جا نے میرے ایک منہ سے نکلے عربی فقرے ''الانتظار اشدّ من الموت'' میں اللہ نے کیا تاثیر ڈال دی کہ خالصتاً عرب ذمہ دار خاتون (شرطی) مجھے ہاتھ سے پکڑ کر ریاض الجنتہ کی سنہری جالیوں کے پاس لے گئی۔

''لوجی بھر کے آقا ﷺ نامدار پر درود وسلام کے ہدیے بھیجو۔ کیا یاد کروگی۔''

☆☆☆

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

جب خدا کسی کو نعمت دے!

رشک اور حسد میں بہت کم فاصلہ ہے۔ رشک کب حسد میں تبدیل ہو جاتا ہے انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی

انسان کا نفس ہر چیز میں اعلیٰ چمنیو رکی طلب پر پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لئے وہ ہمیشہ دوسروں سے ممتاز، الگ ،منفرد، one and only بننا چاہتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی ہم نَفَس اس سے بہتر ہو جائے، اس سے آگے نکل جائے۔ جب کوئی اس سے بہتر ہو جاتا ہے، سبقت لے جاتا ہے، بہتر و بلند مقام پہ پہنچ جاتا ہے تو اس کو دل میں رنج پہنچتا ہے اور طبیعت پہ شاق گزرتا ہے۔ اس کی نعمت پر تنگ دل ہوتا ہے، خوشی کا اظہار نہیں کرتا، چہرہ بجھ جاتا ہے۔ اس شخص سے جس کو نعمت ملی ہوتی ہے، عزت و شرف عطا ہوتا ہے نظریں چُراتا اور ملنے سے گریز کرتا ہے۔ چاہتا ہے لوگ بھی کامیاب شخص کے اُس کے سامنے تذکرے نہ کریں۔ لوگوں کی نظروں میں اس شخص کی اہمیت کو اُجاگر نہیں کرنا چاہتا۔ حیلے بہانے سے اس کی برائیاں بیان کرتا ہے۔ اس کی بشری کمزوریوں کو سامنے لانے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی بہانے سے اس کے شخصی تاثر کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ مجھ سے کمتر ہی رہیں یا زیادہ سے زیادہ بس میرے جیسے رہیں۔ یہ احساس اور جذبہ چونکہ انسانی فطری کمزوری میں شامل ہے اس لئے اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ لیکن اس کے مثبت پہلو پر غور کیا جائے تو دراصل یہی جذبہ انسان کو آگے بڑھنے، حوصلہ دینے اور ہمت بڑھانے کی خاطر اس کے اندر رکھا گیا ہے۔ اگر دوسروں سے مسابقت کا جذبہ نہ ہوتا تو انسانی ارتقا ہی نہ ہوتا۔ اس دوسرے جذبے کا نام رشک رکھا گیا۔ جب انسان اس فطری احساس کو منفی طور پر خود پر غالب کر لیتا ہے تو وہ حسد کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور حسد انسانی خوبیوں سے بالکل الگ چیز ہے۔ یہ ایک شیطانی جذبہ ہے۔ انسانی جذبہ مسابقت کا ہے لیکن شیطانی جذبہ دوسرے کو محروم وحقیر کر دینے کا ہے۔

مسابقت کا یہ جذبہ ہم عمر، ہم عصر اور ہم سَر لوگوں میں ہمیشہ رہتا ہے۔ کامیاب ہو کر گزر جانے والے لوگوں سے حسد نہیں ہوتا وہ لوگوں کے آئیڈیل ہوتے ہیں۔ مگر ایک ہی جماعت کے طالب علم، ایک ہی عمر کے لوگ، ایک ہی پیشے سے منسلک لوگ ایک دوسرے سے ہمت پاتے اور آگے بڑھنے کی تگ و دو کرتے ہیں یا حسد کرتے ہیں۔

مسابقت کا جذبہ دراصل معرفتِ حق کا پرتو ہے۔ مقصد کو پانے کیلئے سیکھنے کا عمل ہے۔ رشک اور حسد میں بہت کم فاصلہ ہے۔ رشک کب حسد میں تبدیل ہو جاتا ہے انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ نَفس کے شر سے ہوشیار رہنا ضروری ہے جب انسان دل کی گہرائیوں سے دوسرے کی نعمت پر یہ اظہار کرے کہ ''اے منعم حقیقی! تو نے جس طرح اپنے اس بندے پر کرم کیا ہے، عطا کرنے والے تو مجھے بھی اس عزت و شرف اور نعمت سے نواز دے بے شک تو ہی سب کو عطا کرنے والا ہے۔'' تو یہ اس رب کی بخشش و عطا کو تسلیم کرنا ہے، اس کی

تقسیم پہ راضی رہنا ہے۔

اگر انسان اپنے دل کو منفی احساسات سے بھر لے گا تو فائدہ بھی کیا ہے؟ نعمتیں تقسیم کرنے والے رب کو حاسد کا رنج اور دکھ تقسیم اور عطا سے نہیں روک سکتا بلکہ اس رب کائنات کی تقسیم اور عطا پر غصہ کرنا اس کی ناراضگی اور غضب کو دعوت دینا ہے۔ دنیا میں مالک اپنے نوکروں کو جیسے چاہے رکھے، جس کو چاہے جو چاہے دے دے۔ کوئی اعتراض کرے تو اپنا حشر بھی دیکھے۔ ایک رب کائنات کے معاملات پہ اعتراض کرنا ہر کوئی کتنا آسان سمجھتا ہے

حسد کا علاج یہ ہے کہ جب کسی کو اپنے سے بہتر دیکھے تو کوشش کر کے دل سے منفی احساسات کو روکے اور بار بار اللہ کی حمد بیان کرے اور اس نعمت کو پانے کی دعا کرے دل کے احساسات کو بے لگام کر دینے سے منفی جذبات غالب آ جاتے ہیں اور انجام کار انسان، انسانیت کے جوہر اخلاق سے عاری ہو جاتا ہے اور انسان کا درجہ ظالم کا سا ہو جاتا ہے۔ وہ خود کو خدائی معاملات میں دخیل سمجھتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کا شریک ہونا چاہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے برابر ایا مدمقابل آتا ہے اس کے فیصلوں اور عطا و بخشش کو چیلنج کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ بربادی کو دعوت دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔

اپنے آپ پر ظلم کرنے والے کا علاج کوئی نہیں، جو خود کو قابل رحم نہ سمجھے وہ کسی کی طرف سے بھلائی کو قبول نہیں کر سکتا۔ حاسد ایسا ہی ظالم ہے جو خود کو جیتے جی اذیت میں مبتلا رکھتا ہے اور اس اذیت سے نجات ممکن نہیں جب تک کہ وہ اپنے دل کی کیفیات پر سچے دل سے غور نہ کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو پھر اُس کا علاج صرف موت ہے۔

مرنے کے بعد حسرتوں اور محرومیوں کا نیا باب شروع ہوگا۔ دنیا میں دوسروں کی عزت و توقیر اور اپنے سے بہتر حالات پر حسد کرنیوالے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پہ ناقدانہ نظر رکھنے والے، اپنے اعمال صالحہ کی دھن دولت بھی دوسروں میں تقسیم ہوتا دیکھیں گے اور تہی دامنی کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

☆☆☆

آسیہ راشد

رمضان المبارک کا معمول

کیسے بنائیں، کیسے نبھائیں..... چند مشورے

ہر سچے مسلمان کیلئے رمضان المبارک کی آمد باعث مُسَرّت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس ماہ میں پانے والے فائدوں کو بخوبی جانتا اور سمجھتا ہے۔ یہ ماہ مبارک روزہ داروں کیلئے بہت کشش اور جاذبیت رکھتا ہے کیونکہ اس ماہ میں روزے دار کو جو قلبی سکون اور خوشی ملتی ہے وہ کسی دوسرے مہینہ میں کو نہیں ملتی۔ روزہ دار جانتا ہے کہ اگر وہ ایمان اور ثواب حاصل کرنے کیلئے روزے رکھے گا تو اسکے سابقہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔ اسے معلوم ہے کہ روزہ دار کو قیامت کے روز جنت کے آٹھویں دروازے ''ریّان'' سے گزارا جائے گا۔ جو صرف صرف روزہ داروں کے گزرنے کیلئے ہوگا۔ (بخاری)

حدیث مبارکہ میں ہے کہ روزہ دار کو دو خوشیاں ملتی ہیں ایک روزہ افطار کرنے کے وقت کی خوشی اور دوسری اسے قیامت کے دن ملے گی جب وہ اپنے رب سے ملاقت کرے گا اور روزے کا اجر پائے گا۔ (مسلم)

رمضان کی آمد کے ساتھ ہی خاتونِ خانہ کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ اس چھینیو میں اسے گھریلو کام کاج کے ساتھ ساتھ اپنی اور اپنے گھر والوں کے باطنی اوصاف کی اصلاح اور نشوونما کرنی ہوتی ہے۔ یہ کام بخوبی روزوں میں کیا جاسکتا ہے۔ روزہ خود ہماری تربیت کرتا ہے۔ ہمیں گناہوں سے بچاتا ہے۔ خاتون خانہ اگر چاہیں تو گھر والوں کے رسمی روزوں کو شعوری اور خاص الخاص بنا سکتی ہیں۔ ہمارے گھروں میں عام طور پر یہی روٹین ہوتی ہے کہ سحری وافطاری میں کھانے پینے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ پانچ وقت کی نماز اور قرآن کی تلاوت اپنے روزمرہ کے معمولات میں شامل کرلی جاتی ہے۔ بہت ہوا تو تراویح پڑھ لی۔ حسب موقع گپوں اور ٹیبل ٹاک کے نام پر غیبت بھی کرلی۔ باقی وقت ٹی وی دیکھ کر گزارا۔ تمام رات کھاتے پیتے رہے۔ آدھا دن سوکر گزار دیا۔ افطاری سے چند گھنٹے پہلے اُٹھ کر افطاری تیار کی، آخری عشرہ شاپنگ اور عیدیاں دینے دلانے میں گزر گیا۔ لیجئے رمضان ختم ہوگیا۔ مگر یہ تو عام سے روزے ہوئے۔ ان میں بہت سے ایسے کام بھی ہم کر گزرتے ہیں جو روزے کو مکروہ کردیتے ہیں۔ معلوم نہیں روزے قبول ہوئے یا نہیں؟

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انہیں خاص الخاص کیسے بنایا جائے۔ گھر والوں کی تربیت کیلئے رمضان کی تیاری ایسے کی جائے جیسے کسی اہم چھینکی ن کی آمد کی تیاری کی جاتی ہے تاکہ سب کے دل میں یہ بات نقش ہوجائے کہ اس ماہ ہم نے اپنے معمولات زندگی میں تبدیلیاں لانی ہیں۔ اسکے لئے خاتون خانہ کو اپنے آپ کو دوسروں کیلئے مثال بنانا ہوگا تاکہ ان کے بچے اور دوسرے لوگ ان کے نقش قدم پر چلنے میں فخر محسوس کریں۔ مگر یہ سب کیسے ہوگا، ایک گھریلو خاتون کیلئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ درس وتدریس کرنے بیٹھ جائے گھر کے

کام ہیں کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آرہے۔اگر ہم ارادہ کرلیں تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔

جیسے ہی ارادہ کریں۔دونفل حاجت پڑھ لیں اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس ماہ مبارک سے بھرپور استفادہ کرسکیں اور رمضان کے چھینیو میں جو وعدے اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں ان انعامات کے مستحق اپنے آپ کو بناسکیں (آمین)

رمضان کی تیاری ماہ شعبان میں:۔

رمضان کی آمد سے قبل ہی ماہ شعبان میں پورے رمضان کی تیاری کرلیں۔ جو امور ومعاملات رمضان میں نپٹانے ہیں ایک ماہ قبل ہی ان پر عمل پیرا ہوجائیں تاکہ رمضان کے پورے چھینیو میں فرصت کے اوقات میسر آسکیں۔

گھروں کی صفائی ستھرائی اور آرائش کا خاص خیال رکھا جاتا ہے ایسی صورت میں گھر کی ضروریات کیلئے جو بھی خریداری کرنی ہے وہ ایک ماہ قبل ہی کرلیں۔

بچوں، بڑوں کے کپڑوں، جوتوں، چوڑیوں کی خریداری کپڑوں کی سلائی وغیرہ کروالیں۔اس سے تین فائدے ہوں گے۔بازاروں کے رش سے بچ جائیں گے۔کپڑے اور جوتے جو عید کے دنوں میں مہنگے داموں ملتے ہیں سستے مل جائیں گے۔ تیسرا اور سب سے بڑا فائدہ رمضان میں یکسوئی سے اللہ کے نزدیک ہونے کے مواقع میسر آئیں گے۔

عام طور پر بہت سے گھروں میں افطاری میں خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔آدھا دن افطاری کی چیزیں تیار کرنے میں گزر جاتا ہے۔اس لئے افطاری کیلئے کوکنگ کی اشیاء مثلاً سموسے، دہی بڑوں کیلئے بڑے، پھلکیاں، چنے، رول کباب، چکن پکوڑے، نگٹس وغیرہ یہ سب اشیاء پہلے سے تیار کرکے فریز کی جاسکتی ہیں تاکہ رمضان میں کم سے کم وقت میں افطاری کی تیاری ہوجائے۔

جن اعزاء واقربا سے ملنا ہے، بیماروں کی مزاج پرسی کرنی ہے رمضان سے پہلے ان سے ملاقاتیں کرلیں۔جو مستحق رشتہ دار ہیں انکی مالی مدد کریں تاکہ رمضان اور عید پر وہ مالی تنگی کا شکار نہ ہوں۔

وہ غربا اور مساکین جنہیں ہم جانتے ہیں ان کے گھروں میں جاکر انکی مالی مدد کریں یا چھینیو بھر کا کھانے پینے کا راشن انہیں دیں تاکہ وہ بھی رمضان کی نعمتوں سے فیض یاب ہوسکیں۔اگر کوئی استطاعت رکھتا ہے تو کسی ایک روزہ دار کو روزے رکھوائے اسکا بہت ثواب ہے۔عید پر جو تحفے تحائف دینے ہیں ان کی خریداری بھی پہلے سے ہی کرلیں تاکہ یکسوئی سے عبادت ہوسکے۔

رمضان سے کچھ روز قبل بچوں اور دیگر اہل خانہ کے ساتھ بیٹھ کر رمضان کے فضائل اور مسائل پر بات چیت کریں۔انہیں بتائیں کہ وہ رمضان میں بیکار کی مشغولیات ترک کرکے صرف اور صرف قرآن پڑھنے اور سیکھنے کی طرف توجہ رکھیں نیز ٹی وی کے بیہودہ پروگرام، غیبت، جھوٹ بولنا، لڑائی جھگڑا، مار پیٹ روزے کو مکروہ کردینے والی چیزیں ہیں رمضان کے ماہ مبارک میں ان سے اجتناب ضروری ہے۔ خود بھی دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور دوسروں کو بھی انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دیں۔انہیں بتائیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رزق بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔رمضان قرآن پڑھنے اور دوسروں کو کھانا کھلانے کا مہینہ ہے۔

ان تمام کاموں سے فراغت کے بعد ہم دیکھیں گے کہ ہمارے پاس رمضان کی ہر ساعت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کیلئے وقت ہی وقت ہے۔ اب صرف ہم ہیں اور ہمارا گھر اور عمل کرنے کا وقت۔

رمضان کی مبارک ساعتیں اور ہمارے شب و روز

سحری کھانے کا خصوصی اہتمام کریں کیونکہ حدیث مبارکہ ہے کہ سحری میں برکت ہے (بخاری)۔ ایک اور جگہ آپؐ نے فرمایا۔ بیت ن اور یہودیوں کے روزوں میں بس صرف سحری کھانے کا ہی فرق ہے (بخاری)۔ سحری کھانے سے سستی دور ہوتی ہے اور نفس پر قابو رہتا ہے۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد تمام گھریلو کام نپٹالیں۔ کھانے پکا کر فرج میں رکھ دیں، برتن کپڑے ساتھ ہی دھولیں، چار بجے سے سات بجے تک یہ تمام کام بخوبی نپٹ جائیں گے۔ اگر گھر میں بچے ہیں یا کوئی بزرگ جو عمر کے تقاضے یا بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتے تو ان کے ناشتے کا انتظام انکے مقررہ وقت کے مطابق کریں۔ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ بزرگوں کی خدمت کرنا انکو کھلانا پلانا بہت زیادہ اجر وثواب رکھتا ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث ہے رسولؐ نے فرمایا جتنی دیر کوئی بندہ کسی روزہ دار کے سامنے کھانا رہتا ہے اتنی دیر فرشتے روزدار پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔

بچوں اور گھر کے مردوں کو سات بجے سکول اور دفتر کیلئے روانہ کر کے ہم دو گھنٹے کیلئے آرام کر سکتے ہیں۔

دس بجے سے ایک بجے تک گھر میں قرآن ترجمے کے ساتھ پڑھیں یا کہیں جا کر دورۂ قرآن اٹینڈ کریں۔

ایک بجے واپس آ کر دیگر کام کاج نپٹائیں جیسے صفائی ستھرائی کروانا، بچوں کی نگہداشت، بزرگوں کی دیکھ بھال، ملازم کے کام میں اسکی مدد کرنا بہت اجر وثواب ہے کیونکہ وہ بھی روزے سے ہے۔ یہ سب کام کرتے وقت زبان سے اللہ کا ذکر کرتے رہیں، جیسے پہلے عشرے میں **استغفرالله رب من كل ذنبٍ واتوبُ عليه**۔ دوسرے عشرے میں **اللهم اغفرلی وارحمنی** اور تیسرے عشرے میں **اللهم انك عفوا تحب العفوا فاعف عنی** کو ورد زبان بنائیں اور دل میں صرف اللہ کا خیال ہو اور ان تمام کاموں کو کرنے کی نیت خالص اللہ کیلئے ہو تو یہی کام عبادت کا درجہ پا جاتے ہیں اور رمضان میں تو ویسے ہی ہر نیک کام کا ستر گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

اگر قرآن پڑھنے کا وقت نہیں ہے تو قرآن کی کیسٹ لگا کر چلتے پھرتے سنتے رہیں۔

دو سے پانچ بجے تک افطاری کی تیاری کر لیں۔

عصر کی نماز کے بعد ایک گھنٹہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ وہ تمام پوائنٹ ڈسکس کریں جو اس روز صبح آپ دورۂ قرآن میں سن کر آئی ہیں۔ اس سے خود کو بھی یاد رہے گا اور دوسرے بھی فائدہ اٹھائیں گے۔

سات بجے کے قریب افطار کا وقت ہو گیا اور کھانے پینے میں دو گھنٹے صرف ہو گئے اور ساتھ ہی تراویح کیلئے تیاری شروع ہو گئی۔ مرد حضرات تو لازماً مسجد میں جا کر تراویح پڑھیں گے۔ اگر خواتین چاہیں تو ان کے ساتھ مسجد جا سکتی ہیں اور رمضان کے ہر ہر لمحہ سے اجر کما سکتی ہیں ورنہ وہ گھر میں بھی تراویح پڑھ سکتی ہیں۔

لیجئے! اب آخری عشرہ بھی آ گیا وہ عشرہ جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جیسے لیلۃ القدر کا نام دیا گیا ہے۔ ہمارے نبی کریمؐ رمضان کے آخری عشرے

میں سب گھر والوں کو جگا کر عبادت کیلئے کہتے اور اپنی انتہائی کوشش کرتے کہ کوئی لمحہ ضائع نہ ہو اس لئے ہمیں بھی ایسا ہی کرنا ہے۔

اگر گھر میں کوئی فرد ایسا ہو جو گھریلو امور کی ذمہ داری سنبھال سکے تو آخری عشرے میں اعتکاف کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اعتکاف کے دوران زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھیں سیرت کا مطالعہ کریں۔ جس حد تک ہو سکے نوافل ادا کریں ہر بیتن کو زندگی میں ایک بار ضرور اعتکاف میں بیٹھنا چاہیے اس سے انسان کو اپنے آپ کو پہنچاننے کا موقع ملتا ہے اور اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

لیجئے! جمعتہ الوداع آ گیا اب رمضان کو الوداع کہنے کا وقت آ گیا ہے اسکی خوشگوار ساعتیں ختم ہونے کو ہیں اور دل دماغ عید کی تیاریوں میں جُت گئے۔

الحمدللہ ہم نے اپنی پوری توانائیاں رمضان المبارک کی خیرو برکت سمیٹنے میں لگا دیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور ہمارے باقی ماہ وسال کو بھی نیکیاں حاصل کرنے کی جدوجہد میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

☆☆☆

افطاری کے خاص پکوان

کریم اور بادام والی کھجور

اجزاء:۔ کھجور 25 سے 30 عدد اچھی قسم کی بغیر گٹھلی کے ،کریم 350 گرام، بادام 25 سے 30 عدد، کوکو پاؤڈر ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب:۔ کھجوروں کو ایک طرف سے کاٹ کر اس میں سے گٹھلی نکال لیں۔ کریم میں پسی ہوئی چینی ملائیں اور اسے اچھی طرح پھینٹ لیں۔ اسکے بعد کھجور میں کریم اور بادام ڈالیں۔ جب ساری کھجوریں تیار ہو جائیں تو ان کے اوپر کوکو پاؤڈر چھڑک دیں اور تقریباً ایک گھنٹہ تک فرج میں رکھیں اور ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

مینگو شیک

آم دو عدد چھلے ہوئے کیوبز کی شکل میں، تازہ دودھ 1 لیٹر، چینی ایک کھانے کا چمچہ، بادام دس عدد، برف حسب ضرورت۔

ترکیب:۔ بلینڈر میں دودھ، آم اور چینی ملا کر اچھی طرح بلینڈ کر لیں اور برف ڈال کر گلاس میں نکال لیں۔ بادام سے گارنش کر کے سرو کریں۔

کھجور کا شیک

اجزاء:۔ کھجوریں دھلی ہوئی بغیر گٹھلی کے 250 گرام ،دودھ 1 لیٹر، چینی ایک کھانے کا چمچ۔

ترکیب:۔ بلینڈر میں کھجوریں دودھ اور چینی ڈال کر شیک کریں اور برف ملا کر گلاس میں ڈال کر پیش کریں۔

قیمے کی کچوری

اجزاء:۔ قیمہ 200 گرام، چھوٹی پیاز 1 عدد، ارد کی دال آدھا پاؤ، میدہ تین سو گرام، لال مرچ ایک چائے کا چمچ، کالی مرچ پسی ہوئی ایک چائے کا چمچ، کٹا دھنیا ایک چائے کا چمچ ادرک لہسن کا پیسٹ ایک کھانے کا چمچہ، تیل دس کھانے کے چمچ، پانی حسب ضرورت، تیل تلنے کیلئے، نمک حسب ذائقہ۔

ترکیب:۔ پہلے ارد کی دال کو ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کیلئے بھگو دیں۔ پھر اس میں تیل گرم کر کے ادرک لہسن کا پیسٹ اور پیاز شامل کر کے نرم ہونے تک پکائیں۔ اب اس میں قیمہ شامل کر کے اتنا بھونیں کہ اسکا رنگ تبدیل ہو جائے۔ اسکے بعد دال، لال مرچ، کالی مرچ، کٹا دھنیا، نمک اور پانی ڈال کر ڈھکیں اور دس سے پندرہ منٹ تک دم پر پکنے دیں۔ پھر ڈھکن ہٹا کر چولہا تیز کر دیں اور اچھی طرح سارا پانی خشک کر کے ٹھنڈا ہونے کیلئے رکھ دیں۔ اب ایک پیالے میں میدہ، نمک، تیل اور حسب ضرورت پانی شامل کر کے گوندھیں اور کچھ دیر کیلئے ڈھک کر رکھ دیں تاکہ خمیر بن جائے۔ دس سے پندرہ منٹ کے بعد ڈو کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنائیں انکے درمیان انگوٹھے سے دبا کر جگہ بنائیں اور قیمہ بھر کر پیڑے کو دوبارہ گول کر لیں۔ تیار پیڑوں کو ٹرے میں رکھتے جائیں اور تیل لگاتے جائیں۔ جب تمام پیڑے تیار ہو جائیں تو انہیں ہاتھ کی مدد سے تھوڑا سا دبائیں پھر کاؤنٹر کو چکنا کر کے بیلن سے اسے کچوری کے سائز میں بیل کر گرم تیل میں ڈیپ فرائی کر لیں۔

مزے دار قیمے کی کچوری تیار ہے۔

دہی بڑے

اجزاء:۔ماش کی دال 1/2 کپ(ایک گھنٹہ پہلے بھگو دیں) مونگ کی دال1/2 کپ،کٹی ہوئی کالی مرچ1/2 چائے کا چمچ،کٹی ہوئی لال مرچ ایک چائے کا چمچ، پیاز 1عدد درمیانی،دہی1 کلو،سفید زیرہ بھنا اور پسا ہوا2 چائے کے چمچ، ہری مرچ2 چائے کے چمچ (باریک کٹی ہوئی) ثابت لال مرچ4 عدد، ثابت زیرہ ایک چائے کا چمچ، کری پتہ تھوڑا سا، تیل،نمک حسب ضرورت۔

دالوں میں نمک، لال مرچ اور پیاز ڈال کر باریک پیس لیں اور تیل گرم کر کے اس میں چھوٹی چھوٹی پھلکیاں فرائی کریں اور پھر انہیں پانی میں ڈال دیں تا کہ نرم ہو جائیں۔ دہی کو ڈونگے میں ڈال دیں۔اس میں کٹی لال مرچ، کٹی کالی مرچ، پسا ہوا زیرہ ایک چمچ ایک کپ پانی ڈال کر پھینٹ لیں۔اب اس میں پھلکیاں ہاتھ سے دبا کر پانی نکالیں اور ایک فرائنگ پین میں دو چمچ آئل لے کر اس میں کڑی پتہ زیرہ،ثابت لال مرچ کا تڑکا لگا کر دہی بڑوں پر ڈال دیں اور پیش کریں۔

چکن پکوڑے

اجزاء:۔چکن کا قیمہ 250 گرام ،انڈے تین عدد پھینٹے ہوئے، ہرا دھنیا دو کھانے کے چمچ، چاٹ مصالحہ1/2 چائے کا چمچ، پکوڑا مکس1 پیکٹ، پانی ایک سے دو چائے کے چمچ، تیل تلنے کیلئے۔

ترکیب:۔پکوڑا مکس میں انڈے شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں۔اس میں پانی ڈال کر پھینٹیں اور آمیزے بنالیں۔ اب اس میں چکن کا قیمہ، ہری مرچ، ہرا دھنیا شامل کر کے اچھی طرح مکس کریں۔ ایک گھنٹے کیلئے علیحدہ رکھ دیں۔ درمیانی آنچ پر تیل گرم کریں۔اس میں باری باری چمچ بھر کر آمیزہ ڈالتے جائیں اور خاصا سنہری ہونے تک تل لیں۔گرما گرم چکن پکوڑوں پر چاٹ مصالحہ ڈال کر پیش کریں۔

فروٹ چاٹ

اجزاء:۔کیلے 2 عدد،خربوزہ1 عدد، آڑو 2 عدد،سیب2 عدد، آم 1عدد، انار 2عدد، انگور بیس دانے، چینی حسب ذائقہ، لیموں 3 عدد، کالی مرچ پسی ہوئی1/2 چائے کا چمچ، سفید مرچ پسی ہوئی1/2 چائے کا چمچ۔

ترکیب:۔تمام پھلوں کو کیوبز کی شکل میں کاٹ لیں سوائے انگوروں کے اب اس میں فروٹ چاٹ مصالحہ اور نمک چھڑکیں اور اچھی طرح مکس کر لیں۔آخر میں چینی اور پائن ایپل جوس ڈالیں اور پیش کریں۔

☆☆☆

محشرِ خیال

کرامت بخاری۔لاہور

آپ کے پرچے کی تزئین، ترتیب، تشکیل، تقسیم اور ترسیل کا معترف ہوں، آپ نے متوازن، معتدل اور مسلسل محنت سے اسے ایک اچھا جریدہ ادب وثقافت بنالیا ہے۔ یہ پرچہ ہماری نسائی شعری تاریخ اور نسائی شعری ادب کا ضامن ٹھہرے گا مزید محنت کیجئے اور ہر ایک جریدے کو ایک مرقعِ اردو بنا ڈالیے، تاکہ قارئین اس کا حوالہ دیتے پھریں اور ڈھونڈتے پھریں۔

ہمیں اپنے معاشرے سے عدم توازن، تعصب، شدت پسندی، علم سے دوری اختلاف رائے برداشت نہ کرنے کی عادت، فرقہ پرستی اور مغربی ثقافتی یلغار جیسے عوامل کو ختم کرنا ہے، میرا ایک شعر ہے کہ

ہم پہ واجب ہوا قلم کا جہاد
اور قلم میں بلا کی قوت ہے

ڈھیروں دعائیں۔ ایک غیر مرّدف غزل روانہ کررہا ہوں

فریدہ خالد۔کراچی

پڑوس کی بلڈنگ میں رہنے والی ایک معزز ہستی (الف خ رعنا آنٹی) اکثر فون کرکے مجھ سے بتول کے بارے میں ڈسکس کرتی ہیں اور پھر کہتی ہیں ''تبصرہ لکھ کر بھیجو'' میں کہتی ہوں کہ ''تبصرہ کرنا، بولنا تو آتا ہے لکھنا نہیں آتا'' وہ محبت سے جواب دیتی ہیں ۔''لکھنا شروع تو کرو، چھوٹا سا لکھ بھیجو'' آہستہ آہستہ آجائے گا۔لہٰذا اس دفعہ کی فون کال کے بعد میں نے ہمت کرنے کی ٹھانی۔

بتول کا ہر مضمون ہی بہت خوب ہوتا ہے اور جیسے جیسے پڑھتی جاتی ہوں دل سے دعائیں نکلتی ہیں ان سب کیلئے جو اس میگزین کو ہم تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر گوہر مشتاق اور میر بابر مشتاق اگرچہ کم کم لکھتے ہیں لیکن بہترین ایک تو انکے مضامین بہت اہم موضوعات پر ہوتے ہیں دوسرے تحقیقی نوعیت کے ہوتے ہیں، اس لئے معلومات کا خزانہ معلوم ہوتے ہیں۔انکے علاوہ عظمیٰ پروین بھی بہت اہم موضوعات پر قلم اٹھاتی ہیں اور خوب لکھتی ہیں۔

قانتہ رابعہ اور شمیم فاطمہ کے بغیر تو آپکی فہرست نامکمل لگتی ہے۔شمیم فاطمہ کی تحریر (نظم ونثر) دونوں ہی بڑی پراثر ہوتی ہیں کچھ عرصے سے ''میری لائبریری سے'' نہیں آرہا کیا وہ سلسلہ ختم کردیا گیا ہے؟

''ابتدا تیرے نام سے'' تو میرے دماغ میں غوروفکر کی ابتدا کردیتا ہے اور بتول میگزین اکثر مجھے چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنے کی دعوت دیتا نظر آتا ہے پلیز اسکا سلسلہ ختم نہ کیجئے گا!

آخر میں ایک سوال، آپکے لکھنے والوں میں ڈاکٹرز کی تعداد بہت زیادہ ہے کیا اسکی کوئی خاص وجہ ہے؟

☆رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ۔ جی ہاں پی ایچ ڈی، ایلوپیتھک اور ہومیو پیتھک ان تینوں اقسام کے ڈاکٹر ہمارے لکھاریوں میں شامل ہیں ،اللہ کا انعام ہے۔میری لائبریری کا سلسلہ انشاءاللہ جلد دوبارہ جاری ہوجائے گا(مدیرہ)

نگہت عرفان۔کراچی

''محشر خیال''میں اپنے خیالات بیان کرنے کی وجہ مئی کے شمارے میں پیاری بینا آپا کے حوالے سے شائع ہونے والا''خاص مضمون''ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

ڈاکٹر شاہدہ یوسف صاحبہ نے بہترین حق ادا کیا ہماری بینا آپا کے حق میں اللہ ڈاکٹر صاحبہ کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ میں زندگی میں بینا آپا سے کبھی نہیں ملی لیکن ''نور''اور'' بتول'' کی شکل میں بار ہا ملی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں رسالوں کو آپا کے حق میں بہترین حجت بنائے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

ان کی نظم ''مکتبِ عشق و محبت کا یہ دستور نہیں'' شائع کردیں آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔☆۔یہ نظم شائع ہوچکی ہے(مدیرہ)

آپ کے اداریے کے ذریعے ہم پورے ماہ کی اہم صورتحال سے واقف ہوجاتے ہیں۔انوار ربانی ''آخرت پر ایمان ''حمیرا خالد کی بہت اچھی تحریر تھی۔اللہ کی چار صفات کا بہت ہی خوبی سے تذکرہ کیا گیا۔قول نبیؐ ''عیادت ایک سعادت''ڈاکٹر عبداللہ چتنگے کی بے حد معلوماتی تحریر ہے جس میں نبی کریمﷺ کے اسوہ وسنت کے مطابق عیادت کا طریقہ بتایا گیا ہے۔نوائے شوق میں بینا آپا کی نظمیں بہت ہی پسند آئیں خصوصی طور پر''کیوں''آخری بند:

ہر شب جوخواب دکھاتا ہے
ہر صبح کو جوت جگاتا ہے
وہ کون ہے کیا سمجھاتا ہے
کیوں اپنا آپ چھپاتا ہے
اس بستی میں کیوں صدیوں سے
دستور یہی ہے جینے کا !!

پیاری بینا آپا کو اللہ اپنی بہترین جنت کی نوازی عطا فرمائے (آمین)شمیم فاطمہ کی غزل بھی اچھی لگی''زیب النساء''(ڈاکٹر شگفتہ نقوی)سچے واقعات پر مبنی یہ سلسلہ بہت ہی اچھا اور پُر اثر ہے۔ہمارے اردگرد ایسے بہت سے کردار موجود ہوتے ہیں توجہ کی نظر چاہیے۔''اندیشے''(حمیرا خالد)خاندانی نظام کی ضرورت اور اہمیت وفوائد کے حوالے سے اچھی تحریر ہے۔ہمارے ہاں یہ سسٹم کمزور پڑ رہا ہے۔''ابھی کچھ لوگ باقی ہیں''امینہ بتول کی اچھی کوشش تھی اس کہانی میں ''اے کاش'' کا اضافہ ضروری ہے ۔''امید''خوبصورت اور احساس سے بھرپور تحریر ہے ساجدہ رفیق نے حیاتاں کا کردار خوبصورتی سے قلمبند کیا ہے۔''اِرْحَمْنِیْ''نصرت یوسف کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے بہت پیاری تحریر،سکندر کا کردار بہت حقیقی لگا اور بہت سی حقیقتوں کا ادراک کرا گیا۔ہمارے معاشرے میں موجود طبقاتی فرق کا بہترین عکس نظر آیا۔نصرت بہن اتنی پیاری تحریر پر آپ کو مبارکباد۔

''اک ذرا حرم نبوی تک''(قانتہ رابعہ)اس نام کے لئے کوئی بھی تبصرہ کرنا معنی نہیں رکھتا کسی بھی تحریر پر'قانتہ' کا نام ہی اس تحریر کے منفرد اور بہترین ہونے کی ضمانت ہے اور یہاں تو موضوع ہی الگ ہے۔دخول مدینہ اور پھر اک ذرا حرم نبوی تک،دونوں ہی تحریروں نے مدینے کی یاد

تازہ کردی۔''اعتذار'' کی پیروڈی اچھی لگی۔''نمایاں خواتین کا تذکرہ''(آسیہ راشد) بہترین سلسلہ ہے۔حضرت عثمان غنیؓ سے عقیدت پہلے بھی تھی مگر یہ تحریر پڑھنے کے بعدان کی قدرومنزلت کا مزید اندازہ ہوا۔فرزانہ چیمہ صاحبہ!اللہ رب العزت آپ کے قلم کو ہمیشہ چلتا رکھے۔ اب جلداز جلد سہرا بھی سنا دیں۔

''تبسم زیرلب'' پسند آیا خصوصاً پہلا اور تیسرا انتخاب ''انشائیہ''(شمیم فاطمہ)اور ''وقت''(ڈاکٹر عظمیٰ اشفاق) مفید تحریریں ہیں۔''خفتگان ِخاک'' (ثمینہ سعید)اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا عبدالحق بلوچ کی مغفرت فرمائیں اورانہیں جنت الفردوس عطا فرمائیں۔آپ کا یہ سلسلہ بہت اچھا ہے اسطرح سے ہمیں زندگی گزارنے کیلئے بہترین اصول بھی ملتے ہیں اور ہماری یہ تحریریں ان مرحومین کے حق میں حجت بھی بنتی ہیں۔''جواب حاضر ہے''(زہرا نہالہ)اچھا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ پہلا ہی سوال اور اسکا جواب بہت اچھی ترغیب دے گیا ہے ۔''محشر خیال''میں رشیدہ قطب،سیدہ فاطمہ گیلانی اور رفعت اشتیاق کے خیالات سے استفادہ حاصل کیا''ہم گرمیاں کیسے گزاریں''(آسیہ راشد)اچھی اور معلوماتی تحریر تھی پر کیا کریں ہم گرمیوں کو نہیں بلکہ وہ ہمیں گزار دیتی ہیں۔اس مضمون میں لوڈشیڈنگ کے اثرات سے بچنے کے لئے بھی مشورے ضروری تھے۔

''گرمی کے فرحت بخش مشروبات''(مریم ۔د) کے ضمن میں پانی کا تذکرہ اہم لگا ۔''عبادت''(جاوید چوہدری)بہت اہم اور اچھا انتخاب ہے۔بتول میگزین میں عظمیٰ آفرین کی تحریر اچھی تھی۔نیز''کلام اللہ کی برکت''(ام صائم)بھی بے حد پُراثر ہے۔

☆☆☆

فتحِ مکہ کا سفر میری چشم تصور سے

فریدہ خالد۔ کراچی

رمضان 8 ہجری میں آپ ﷺ فتح مکہ کے ارادے سے مدینہ سے نکلے۔ آپؐ نے اس غزوہ کی تیاری میں انتہائی راز داری برتی اور دعا فرمائی کہ ''اے اللہ! مخبروں اور خبروں کو اہلِ مکہ سے روک دے تا کہ انکو ہمارے پہنچنے کی بالکل خبر نہ ہو۔ اور ہم ایک دم ان پر جاپڑیں'' (ابنِ ہشام صفحہ #265)

اس موقع پر آپؐ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرامؓ تھے۔ سفر کرتے ہوئے آپؐ عشاء کے وقت ''مہر الظہر ان'' پہنچے اور پڑاوَ ڈالا۔ مولانا مبارک پوری اپنی کتاب ''تجلیاتِ نبوت'' میں لکھتے ہیں کہ ''آپؐ کے حکم سے لشکر نے الگ الگ آگ لگائی۔ یوں آگ کے دس ہزار الاوَ روشن کیے گئے'' (صفحہ #301) میں نے اس منظر کو اپنی چشم تصور سے دیکھا کہ ایک تاریک رات میں صحرائے عرب کی اس وادی میں ایک بڑا سا چراغ درمیان میں رکھا ہے۔ اور خوب روشنی پھیلا رہا ہے، اسکے اردگرد دس ہزار شمعیں ہیں جو باری باری روشن ہوتی جا رہی ہیں اور پھر یہ اندھیری وادی جگمگا اٹھی۔ اسی لمحہ مجھے سورۃ احزاب کی آیات 45 اور 46 یاد آ گئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (ترجمہ) ''اے نبی ہم نے آپ کو ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر'' تب میں نے سوچا واقعی آپؐ ایک روشن چراغ ہیں۔ ایک ایسا چراغ جس نے کفر و شرک اور جہالت کے اندھیروں کو ختم کر کے حق و توحید کی روشنی پھیلائی اور اپنی صحبت سے کئی اور شمعیں روشن کیں اور پھر یہ شمعیں (صحابہ کرامؓ) اللہ کے اس پیغام کو حق و توحید کے نور کو دنیا بھر میں پھیلاتی چلی گئیں جس کے نتیجے میں قرآن و سنت کی تعلیم، نور ہدایت آج مجھ تک پہنچی، ایک دم ہی شدت سے یہ احساس پیدا ہوا کہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت مجھے نصیب ہوئی اور ساتھ ہی خیال آیا کہ اب یہ میری ذمہ داری ہے کہ اس پیغام حق کو آگے پہنچانے میں اپنا کردار ادا کروں تا کہ کفر و شرک کے اندھیرے رہتی دنیا تک مٹتے چلے جائیں۔

آبگینے

(رفعت اشتیاق۔ گوجرہ)

1۔ تجلی کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ سارے رنگوں کے [illegible]ے کا نام تجلی ہے۔ لوگ تجلی ڈھونڈتے ہیں لیکن تجلی تو ہمارے اندر ہے

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

2۔ اُسے اپنا لباس پہنتے ہوئے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی اپنا لباس دوسروں کو (یعنی غریبوں کو) پہنے دیکھ کر۔ ہے نا عجیب بات، لیکن ہے نا توفیق کی بات۔

3۔ اندھیرے کو مت کوسیں اپنے چراغ درست

کریں۔

4۔دُکھوں اورغموں کے دریا میں ڈوب کر ہی حکمت ودانائی کے سچے موتی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

ایک چھوٹا سا واقعہ

(حفصہ ندیم۔کراچی)

کچھ دن پہلے کی بات ہے میرے نویں جماعت کے پیپر ہورہے تھے۔ میں کلاس روم میں بیٹھی تھی اور پیپر کرچکی تھی کہ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر کسی کا آخری پیپر والے دن انتقال ہوجائے تو اس کا دنیا میں رزلٹ آنے سے پہلے اس کا آخرت کا رزلٹ آجائے گا۔ ہم دنیا کے امتحان کے لئے اتنی محنت کرتے ہیں تو کیوں نہ ہم آخرت کیلئے محنت کریں۔ پھر میں گھر آگئی اور اس بات کو بھول گئی۔ دو دن بعد میرا آخری پیپر تھا اس دن جب ہم سب رات کے کھانے کیلئے بیٹھے تو ابو نے خبر سنائی کہ آج ہمارے پرانے محلے کے پڑوسی شمسی صاحب کے بیٹے کا انتقال ہوگیا۔ میری نظروں میں اس کی تصویر پھر گئی میں نے پوچھا اسے کیا ہوا تھا وہ پیپر دے کر آیا اور سوگیا اور سوتا ہی رہ گیا۔ یہ سن کر مجھے دو دن پہلے آنے والا خیال یاد آگیا اور میرے ذہن میں بہت سے سوال آنے لگے نجانے اسکو اپنے رزلٹ کی کیسی امید ہوگی؟ اس نے رزلٹ کے بعد کیا کرنا ہے۔ کچھ تو سوچا ہوگا؟ صبح اس کے ذہن میں آیا ہوگا کہ آج آخری پیپر ہی نہیں میرا آخری دن ہے؟ کیا اسے پتہ ہوگا کہ آنکھیں بند کرنے کے بعد دوبارہ اس دنیا کو نہیں دیکھ سکوں گا؟ اس کے گھر والوں کی حالت کیا ہوگی؟ دوسری دنیا میں اس کے ساتھ کیا ہورہا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ انسان کو روز دکھاتے ہیں، جھنجوڑتے ہیں، سوچنے پر مجبور کرتے ہیں مگر انسان سامنے کھلی نظر آنے والی حقیقت کو نہیں سمجھتا اور دھوکہ میں رہتا ہے۔ ان سارے خیالوں نے مجھے رونے پر مجبور کردیا اور میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ مرنا تو سب کو ہے مجھ کو شہادت کی موت دینا۔ انسان دنیا کو سب کچھ سمجھ کر دھوکہ کھاتا ہے مجھے اس دھوکے سے بچا کر آخرت کو سنوارنے کی فکر کرنے والا بنادے آمین۔

وہ لمحہ

(شہزادی پھول بانو۔لاہور)

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا
کتنی صدیوں پر بھاری تھا
جب میں نے تجھ کو جان لیا
تجھے سب کچھ اپنا مان لیا
جوشِ جنوں یہ کیسا تھا
ہر در پر میں بھٹکا تھا
کتنی راہوں میں اُلجھا تھا
اپنی ہی نظر میں رُسوا تھا
اب جب بھی تنہا ہوتا ہوں
تو ساتھ میرے تو ہوتا ہے
اے رب میرے! اے رب میرے
اب غم ہے نہ کوئی الجھن ہے
جینے کی رہ آسان ہوئی
جب دل نے تجھے پہنچان لیا

آنکھوں کی ٹھنڈک

(نائمہ سعید۔ڈیرہ غازی خان)

میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر کر میرے رخساروں کو بھگو رہے ہیں۔ بعض اوقات فرصت وتنہائی کے

لمحے میسر ہوں تو بلاوجہ ہی دل اداسی سے بھر جاتا ہے۔ شمنیا شمنیا درد اداسی تنہائی وجہ بے وجہ ہی یادوں کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا ہے پر میں ماضی کو نہیں دور بہت دور یا شاید قریب بہت قریب اپنے مستقبل کو دیکھ رہی ہوں۔ آنسو میرا چہرہ بھگو رہے ہیں۔

افوہ امی آپ بھی نا بس حد ہی کرتی ہیں۔ یہ کوئی وقت ہے ان باتوں کا موقع محل تو دیکھ لیا کریں بولنے سے پہلے۔ میرے بیٹے کے چہرے پر ناگواری کی لکیریں گہری ہوتی چلی جارہی ہیں۔ پلیز آپ ادھر جا کر بیٹھ جائیں۔ میرے بیٹے نے کونے میں پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا شاید وہ مجھے ساتھ لا کر پچھتا رہا ہے۔ یہ لفظ شاید بھی کتنا خوش گمان ہے نا، تسلی دے دیتا ہے بہو کے چہرے پر سانپ کے زہر کی طرح پھیلی ناگواری تو سمجھ میں آتی ہے پر میرا بیٹا اسے کیا ہوا یہ تو میرا بیٹا ہے یا شاید تھا، یہی گتھی سلجھاتی میں اس الگ تھلگ نیم اندھیرے میں پڑی کرسی کی طرف بڑھ گئی ہوں جہاں میرے بیٹے نے اشارہ کیا تھا۔ شاید یہ جگہ مجھ جیسے سٹھیائے ہوئے بوڑھوں کیلئے ہے جن سے چھٹکارا پانے کیلئے اولاد کے پاس کوئی اولڈ ہوم نہیں۔

امی آخر آپ نے پیسوں کا کرنا کیا ہے۔ ضرورت کی ہر چیز تو آپ کو مل جاتی ہے۔ بڑے الجھن زدہ سے تاثرات ہیں میرے بیٹے کے چہرے پر۔ پر میں نے تو کبھی نہیں کہا تھا کہ بیٹے ضرورت کی ہر چیز تو تجھے مل جاتی ہے سکول میں کھانے کیلئے چاکلیٹس علیحدہ، لنچ علیحدہ ساتھ جاتا ہے پھر پاکٹ منی کی تگ۔ ابھی میں بھی الجھن سلجھا رہی ہوں کہ میرے سامنے والی کرسی خالی ہوگئی ہے۔ میرا بیٹا مجھے اپنی دانست میں ''اچھی طرح سمجھا'' کر جا چکا ہے اور بہو..... ہاں بہو تو اسے رخصت کرنے گئی ہے۔ بالکل میرے والی عادت ہے میں بھی تو عمر کے بابا کو یوں ہی دروازے تک رخصت کرنے جاتی تھی لیکن میں غصے سے برتن نہیں پٹخنا شروع کر دیتی تھی، جب اماں ساس عمر کے بابا سے پیسے لیتی تھیں۔ اُن کے مانگنے کی نوبت ہی کہاں آتی تھی۔ عمر کے بابا تو پہلے ماں کا حصہ نکالتے پھر باقی گھر کی نوبت آتی تھی۔ میں یہی سوچ کر مسکرانے لگی ہوں۔ بہو واپس آ گئی ہے۔ حیرت سے مجھے مسکراتا دیکھ رہی ہے۔ شاید وہ ماتھے کے بل دیکھنے کی توقع کر رہی تھی۔ پھر سر جھٹک کر کچن میں چل پڑی ہے چلو اچھا ہی ہوا ورنہ وہ میری آنکھوں میں آئے آنسو جواب رخساروں پر بہہ رہے ہیں دیکھ لیتی۔ چوٹ لگی ہے تو درد تو ہوگا نا اور درد ہوگا تو آنسو بھی نکلیں گے۔ پر بوڑھوں کے آنسو مگر مچھ کے آنسوؤں سے بھی زیادہ بے وقعت ہوتے ہیں..... ہے نا!

ارے کیا ہوا کیوں رو رہی ہو۔ صائم (عمر کے بابا) میرا کندھا ہلا رہے ہیں آں ہاں کچھ نہیں کچھ بھی تو نہیں میں نے آنسو پونچھتے ہوئے اپنے پاس لیٹے دوسالہ عمر کو دیکھا جو فرشتوں کی سی معصومیت لئے میرے سامنے سو رہا ہے۔ میں نے سوتے ہوئے عمر کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ میرے لب اس کے روئی کے گالوں سے رخساروں کو چھو رہے ہیں اور میرے لبوں سے میرے دل سے اس یقین کے ساتھ کہ میرا رب مجھے مایوس نہیں لوٹائے گا ایک دعا نکل رہی ہے

''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہمارے جوڑوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا''

قوس قزح کی طرح کچھ دوست

(عظمیٰ آفرین۔کراچی)

کچھ دوست زندگی میں قوس وقزح کی طرح ہوتے ہیں۔اداسی کے بادل گہرے ہوں۔اندر ہی اندر کہیں رم جھم بارش برستی رہے زندگی کے بارے میں سارے خیالات، سارے نظریات اور ساری پلاننگ اداسی کی بارش کی نذر ہوجائے اور ایسی اداس رُت میں اک اچھا مخلص دوست جب سارے دکھ بانٹ لے، اداس لمحوں کو شیئر کرلے تو بے زاری اور اکتاہٹ کے بادل آپ ہی آپ چھٹ جاتے ہیں۔زندگی کے آسمان پر پھر سے امید کی قوس قزح چمکنے لگتی ہے۔وہ تصویریں جن کے رنگ غائب ہوگئے تھے، ان کے خاکوں میں رنگ بھرنے لگتے ہیں۔امید ٹوٹے ہوئے جذبوں کو پھر سے حوصلہ دیتی ہے اور یہ سب کچھ ایک ایسے مخلص دوست کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے جو گھٹاؤں سے بھرے آسمان پر قوس قزح کی مانند ابھرے۔دوستی اس اخلاص کا نام ہے ،جو کسی بھی رشتے میں موجود ہوسکتی ہے۔قوس قزح کی شکل میں اچھا دوست جو بہن بھی ہوسکتی ہے۔ بھائی بھی ،ماں بھی، باپ بھی اور کوئی کزن بھی یا کوئی انکل آنٹی بھی ہوسکتے ہیں۔وہ لوگ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں، جن کی زندگیوں میں اداسی بانٹنے والے ایسے پیارے رشتے موجود ہوں۔ ایسے پیارے دوست جو زندگی میں امید کے رنگ بھر دیں، کتنے اچھے ہوتے ہیں ،ہماری زندگی میں دوطرح کے لوگ ہیں، ایک وہ جو اپنی باتوں اور رویوں سے ہماری شخصیت کچھ منفی کردیتے ہیں اور ہم انکے ان منفی رویوں کی وجہ سے خود کو الجھا ہوا اور ڈاؤن سا محسوس کرتے ہیں۔اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے، جو اپنے خوبصورت رویوں، باتوں اور کمپلیمنٹس سے ہماری شخصیت میں بہت کچھ ''جمع'' کردیتے ہیں۔ ہماری سوچ اور جذبوں کو مثبت باتوں سے بھر دیتے ہیں۔یہی لوگ قوس قزح کی مانند ہوتے ہیں۔

امید ہے کہ آپ کو کوئی نہ کوئی پرانے دوست یاد آگئے ہوں گے جو قوس قزح کے سات رنگوں جیسے آپ کے دوست ہوا کرتے تھے یا اب بھی ہوں گے۔

دورِ حاضر کے بنارسی ٹھگ

(عفت ناز عفی۔اسلام آباد)

دوپہر کا وقت تھا سب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اتنے میں زارا کا موبائل چیخ پڑا۔وہ اٹھی دیکھا تو غیر مانوس نمبر تھا۔ اٹھایا تو آواز آئی میں کاشف بول رہا ہوں مبارک ہو آپ کا دس لاکھ کا انعام نکل آیا ہے۔زارا نے سنا تو بڑی حیران ہوئی کہ میں نے تو کسی چیز میں حصہ نہیں لیا میرا انعام کیسے نکل آیا۔ خیر مبارک کہا تو جواب آیا آپ اس نمبر پر فون کریں تو آپ کو تفصیلات بتاتے ہیں۔زارا نے کہا بھائی آپ نے فون کر ہی لیا ہے تو تفصیل بھی بتا دیں۔لیکن پتہ چلا کہ رابطہ منقطع ہو چکا ہے، اس کے بھائی شکیل نے پوچھا خیریت تو ہے کس کا فون تھا زارا نے جب اس کو ساری بات بتائی تو شکیل نے کہا ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔ تمہارے فون کرنے سے تمہارا سارا بیلنس ختم ہوجائے گا۔زارا نے موبائل میز پر رکھا اور دوبارہ کھانا شروع کردیا۔تھوڑی دیر کے بعد زارا کے موبائل کی ٹون پھر سنائی دی اس بار شکیل نے فون اٹھایا۔اس نے فون سنا تو وہی کاشف صاحب لائن پر تھے انہوں نے پھر سے دس لاکھ روپیہ کے انعام کی کہانی شکیل کو بھی سنائی۔شکیل نے بڑی خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کاشف صاحب کا خاصا بیلنس

صرف کرادیا۔

کاشف صاحب برابر اصرار کر رہے تھے کہ اس نمبر پر ابھی کال کریں شکیل نے کال بند کی اور زارا سے کہا تم قطعی کال نہ کرنا میں موبائل سم کے دفتر سے ابھی معلوم کر کے آتا ہوں کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ وہ موبائل سم کے دفتر گیا اور ان سے کہا جناب آپ نے ہمیں انعام دینا ہی ہے تو اپنے نمبر سے کال کر کے تفصیل بتائیں یہ کیا طریقہ ہے کہ ہم سے کہا جاتا ہے کہ فوراً فون کریں تو تفصیل بتائی جائے گی۔ تو معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں کا یہ محبوب مشغلہ ہے کہ لوگوں کو فون کرتے ہیں اور اس طرح پریشان کرتے ہیں اور کوئی ایسی فریکوئنسی فکس کر لیتے ہیں کہ جس سے دوبارہ اس نمبر پر فون کرنے سے فون کرنے والے کا تمام بیلنس اس نمبر پر ٹرانسفر ہو جاتا ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ یہ نمبر کسی کاشف کے نام پر نہ تھا بلکہ اللہ دتہ کے نام پر تھا۔

متعلقہ سم کے دفتر والوں نے شکیل کا شکریہ ادا کیا آپ نے یہاں آنے کی زحمت گوارا کی اور ہمیں اس فراڈ سے آگاہ کیا۔ اب ہم اس سے نبٹ لیں گے۔ متعلقہ سم کے دفتر والوں نے اس نمبر والے سے کیا سلوک کیا اس کا نمبر بلاک ہوا کہ نہیں کسی کو پتہ نہ چلا۔ شکیل نے گھر آ کر جب ساری بات بتائی تو سب حیران رہ گئے۔ اس نے صفدر صاحب سے کہا ابو جہاں موبائل ایک مفید فون ثابت ہوا ہے ایک سوہان روح بھی ہو گیا ہے۔ کچھ عرصہ سے موبائل فون پر ایس ایم ایس کے ذریعہ لوگوں کو تنگ کیا جا رہا ہے۔ کبھی تمام دن پندرہ پیسے میں پورے دن فون پر بات کرنے کی آفر دی جاتی ہے۔ کبھی ہزاروں ایس ایم ایس کرنے کی۔ یہی نہیں اب تو بے شمار دوستیاں بنانے کی آفر بھی دی جاتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بھیجنے والے کا نام نہیں ہوتا بلکہ ایک نمبر ہوتا ہے تین ہندسوں پر مشتمل۔ اور ساتھ میں ہدایت ہوتی ہے کہ فوراً اس نمبر پر کال کریں اور مزید تفصیلات معلوم کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس طرح کے بے نام ایس ایم ایس پر جب بھی جواب دیا جاتا ہے تو سارا بیلنس ختم ہو جاتا ہے صفدر صاحب نے کہا، بیٹے ہمارے ملک میں جس طرح سے لوگوں کو بیوقوف بنایا جا رہا ہے اسے دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دھوکہ اور فریب خوب پھل پھول رہا ہے۔ لوگوں کو بیوقوف بنانے کے ایسے ایسے نت نئے طریقے دریافت کئے گئے سب کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ پہلے زمانے میں ایسی باتیں نہ تھیں۔ ہاں بنارسی ٹھگوں کا تو ہم نے سنا تھا اب تو ان ٹھگوں کے بھی کان کاٹے جا رہے ہیں نہ جانے یہ لوگ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں۔

بچوں کو نمازی بنایئے

(ہاجرہ مراد۔ لاہور)

جب بچہ اول جماعت میں ہو تو اس کو دن میں صرف ایک نماز پڑھنے کا عادی بنائیں۔ دوم جماعت میں بچہ کو دو نمازیں پڑھنے کا کہیں سے تیسری جماعت میں اس کو تین نمازیں پڑھنے کی عادت ڈالیں جماعت چہارم میں کوئی سی چار نمازیں پڑھنے کی ترغیب دلائیں پانچویں جماعت میں بچے کو پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیں۔ یوں بچہ دس سال کا ہوگا تو وہ پختگا نہ نماز ادا کرنے کا شوقین ہو چکا ہوگا۔

والدین اور استاد اس طریقے پر عمل کر کے اپنے معصوم بچوں کو نماز پڑھنے والا بنا سکتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچا سکتے ہیں۔

☆☆☆